ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۱۳	جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ ۔ جولائی ۲۰۰۵ء	شمارہ : ۷

سیّد محمود میاں مدیر اعلیٰ	سیّد مسعود میاں نائب مدیر

بدلِ اشتراک	ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے
پاکستان فی پرچہ ۱۷ روپے.....سالانہ ۲۰۰ روپے	دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی....سالانہ ۵۰ ریال	فون نمبرات
بھارت، بنگلہ دیش.....سالانہ ۶ امریکی ڈالر	جامعہ مدنیہ جدید : 092 - 42 - 5330311
امریکہ، افریقہ.....سالانہ ۱۶ ڈالر	خانقاہ حامدیہ : 092 - 42 - 5330310
برطانیہ.....سالانہ ۲۰ ڈالر	فون/فیکس : 092 - 42 - 7703662
جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس	رہائش ''بیت الحمد'' : 092 - 42 - 7726702
E-mail: jmj786_56@hotmail.com	موبائل : 092- 333 - 4249301

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع وناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

کمپیوٹر کمپوزنگ و تزئین : محمد صفدر خوشنویس و ڈاکٹر محمد امجد

اس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۱۰
قرآن پاک سے تعلق اور اسکی برکات	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۱۵
انسانی اعضاء کی پیوندکاری	حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب	۲۵
اولاد کی اہمیت اور اس کے فضائل	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	۴۰
گلدستۂ احادیث	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	۴۷
طلاق....ایک ناخوشگوار ضرورت	حضرت مولانا مفتی محمد زید مظاہری	۴۹
دُعاؤں کے فضائل	حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی	۵۷
یادگارِ اسلاف	عمر فاروق احمد پوری	۶۱
دینی مسائل		۶۳

آپ کی مدتِ خریداری ماہ .....ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ.....روپے جلد اِرسال فرمائیں۔

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد !

کراچی سے شائع ہونے والے ششماہی ''علوم اسلامیہ انٹرنیشنل'' کی جلد نمبر ا اور شمارہ نمبر ا میں حافظ زاہد محمود صاحب نے ابوغریب جیل میں عراقی قیدیوں کے ساتھ امریکی مظالم پر مشتمل رپورٹ سے ایک اقتباس مرتب کیا ہے، طوالت سے بچنے کی خاطر اپنی طرف سے اس پر مزید کسی تبصرہ کی ہم ضرورت محسوس نہیں کرتے اور اس کو من وعن قارئین کرام کی نذر کرتے ہیں۔ (مدیر)

مغربی رواداری اور عراقی قیدی

ابوغریب جیل میں عراقی قیدیوں پر ہونے والے مظالم کی صدائے دل سوز دُنیا کے ہر ہر کونے میں سنی گئی، یہ بھی سنا گیا تھا کہ ان مظالم کے مرتکب فوجیوں کو امریکی حکومت نے سخت سزا یہ دی تھی کہ ابوغریب جیل کی انچارج خاتون فوجی افسر جینس کارپنسکی کو برطرف کر دیا گیا اور دوسرے فوجی افسر کو ایک سال کی سزائے قید سنا دی گئی، بس انصاف کا تقاضا پورا ہو گیا۔ اس کے بعد یہ معاملہ عالمی میڈیا سے گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا، کچھ پتہ نہ چلا کہ ان مظالم کے پس پردہ حقائق کیا تھے؟ کیا یہ نچلے درجے کے چھوٹے فوجیوں کی اپنی کارستانی تھی یا ان کو پینٹا گون کی طرف سے باقاعدہ آرڈر موصول ہوا تھا؟ کچھ عرصہ کے لیے یہ مسئلہ رفع دفع ہو گیا مگر پھر اچانک

ہی امریکی سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے اس بارے میں مکمل طور پر تحقیق وتفتیش شروع کردی۔ اس دروان ایسے ایسے سنگین مظالم کی داستانیں سامنے آنا شروع ہوئیں کہ انہیں سن کر خود کمیٹی ارکان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس بارے میں واشنگٹن پوسٹ نے لکھا تھا کہ عراقی قیدیوں کو اذیت دینے کے لیے ایسے ایسے حربے اختیار کیے گئے کہ اس سے پہلے ان کا تصور بھی نہیں کیا گیا ہوگا، تفتیش کے بعد ان مظالم کی داستان اتنی طویل تھی کہ آرمڈ سروسز کمیٹی نے جب رپورٹ مرتب کی تو اس کا حجم چھ ہزار صفحات پر مشتمل تھا، جس کے ساتھ ہزاروں تصاویر، ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز بھی شامل تھیں، مگر امریکی حکومت نے اپنا پورا اثر ورسوخ استعمال کر کے اس رپورٹ کو منظر عام پر نہیں آنے دیا، لیکن امریکی حکومت کی بدقسمتی کہیے کہ آرمڈ سروسز کمیٹی کے ایک ممبر کے توسط سے اس رپورٹ کی ایک کاپی مصر کے اخبار ''اسبوع'' کے چیف ایڈیٹر کے ہاتھ لگ گئی۔ اصل رپورٹ کافی طویل اور انتہائی سنسنی خیز انکشافات پر مبنی ہے جس کی طوالت وضخامت کا یہ صفحہ قطعاً متحمل نہیں ہوسکتا، لہٰذا آپ کو امریکیوں کی اخلاقیات ونفسیات سے متعارف کرانے کے لیے اس رپورٹ کا ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے جس میں آرمڈ سروسز کمیٹی کے ممبرز اور دو اعلیٰ امریکی فوجی حکام کے مابین تفتیشی گفتگو کی رُوداد قلم بند کی گئی ہے۔ ان فوجی حکام میں سے ایک پینٹاگون کے انٹیلی جنس سربراہ ''جنرل رونالڈ یورگس'' ہیں اور دوسرے بری افواج کے قانونی سربراہ ''جنرل ٹامس ویگ'' ہیں۔ واضح رہے کہ شروع میں ان کم عمر بچوں سے متعلق بات چیت ہورہی ہے جو امریکی فوج کے تشدد کا نشانہ بنے، اب آپ اُن کی گفتگو ملاحظہ کیجیے۔

کمیٹی : کیا تم نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ یہ تمام بچے اور لڑکے دہشت گرد افراد کے رشتہ دار واقرباء ہیں؟

ٹامس رویگ : ہاں! ہمارے پاس ثبوت کے طور پر خفیہ رپورٹیں موجود ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے وزیرِ دفاع کے انٹیلی جنس مشیر جنرل اسٹیفن کسبن کو بھی اس معاملے کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔

کمیٹی : اس بارے میں جنرل کسبن کا ردعمل کیا تھا؟

یورگس : ہمیں جنرل کسبن کی طرف سے 18 امریکی فوج کے آفیسروں کی رہائی کی خاطر ٹارچر کو جاری رکھنے کا حکم ملا۔

کمیٹی : حکم کی تفصیلات کیا ہیں؟

یورگس : بچوں پر اُس وقت تک ٹارچر کیا جائے جب تک ان کے دہشت گرد رشتہ دار اپنے آپ کو ہمارے حوالے نہیں کر دیتے۔

کمیٹی : ان بچوں کی تعداد کتنی ہے؟

یورگس : 60 سے زائد بچے ہیں۔

کمیٹی : ان پر ٹارچر کس طرح کیا جاتا تھا؟

یورگس : شروع میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم نے ان بچوں کو گرفتار نہیں کیا تھا، بلکہ ہم نے دہشت گردوں کی صرف بیویوں اور بیٹیوں کو گرفتار کیا تھا جنہوں نے اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے پر اصرار کیا جس کی وجہ سے انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔

کمیٹی : تو پھر تمہیں کس چیز نے بچوں کے ٹارچر پر مجبور کیا؟

یورگس : ظاہر ہے کہ دہشت گرد افراد نے امریکی فوج سے اتنی تعداد میں افراد اغوا کر لیے ہیں کہ وہ کافی حد تک امریکا کے لیے پریشانی کا باعث بن گئے۔ اس لیے ضروری تھا کہ ہمارے بس میں جو کچھ ہے وہ کر گزریں تاکہ ان لوگوں کو امریکی فوج کے آفیسرز کو رہا کرنے پر مجبور کیا جا سکے، جنرل کسبن نے یہ احکامات جاری کیے کہ دہشت گردوں کو اپنے بلوں سے نکلنے پر مجبور کرنے کے لیے تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔

کمیٹی : عورتوں کے ساتھ تم کیا کرتے تھے؟

یورگس : عراقی عورتیں پوچھ گچھ میں ہمارے ساتھ بالکل تعاون نہیں کرتی تھیں اور وہ غیر معمولی سکون واطمینان میں ہونے کے ساتھ پختہ حوصلہ اور ٹھنڈے جذبات واعصاب کی حامل تھیں۔ ہم چاہتے تھے کہ انہیں ڈرا کر اشتعال انگیز کیا جائے تاکہ وہ ہمیں تمام قسم کی معلومات فراہم کریں۔ ہمیں حکم ملا کہ اُن کے ساتھ بالجبر زیادتی کرو، اس کے بعد یہ عورتیں تمہیں کافی بڑی مقدار میں معلومات فراہم کرنے پر خود بخود تیار ہو جائیں گی۔

کمیٹی : یہ حکم کس نے جاری کیا؟

یورگس : مجھ تک یہ حکم جنرل کسبن نے پہنچایا تھا اور اُس نے کہا تھا کہ یہ حکم اُوپر سے آیا ہے اور اس حکم پر تعمیل کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔

کمیٹی : زیادتیاں کس طرح کی جاتی تھیں؟

یورگس : زیادتیاں کم از کم دو افسروں اور کئی امریکی فوجیوں کی موجودگی میں کی جاتی تھیں۔

کمیٹی : کیا تم نے اس عمل کو جائز سمجھا؟

رویگ : اغوا شدہ افراد کا ٹھکانہ جاننے کے لیے چند عراقی عورتوں سے زیادتی کرنا میرے نزدیک کوئی جرم نہیں بلکہ یہ عمل جنگی کارروائیوں کے درمیان جائز ہوتا ہے۔

کمیٹی : کیا اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی اور حل موجود نہ تھا؟

رویگ : اس سوال کا جواب جنرل یورگس مجھ سے اچھا دے سکتے ہیں۔

کمیٹی : ہاں جنرل یورگس تم بتاؤ؟

یورگس : ہم نے دیگر طریقے بھی استعمال کیے تھے جن میں عورتوں کو مارنا، پانی میں سونے پر مجبور کرنا، بعض عورتوں کو سونے نہ دینا اور انہیں چوبیس گھنٹے تک کھڑے ہونے پر مجبور کرنا وغیرہ۔ ہم نے بعض عورتوں کے بال وغیرہ بھی کاٹے مگر انھوں نے ہمیں کبھی بھی کچھ نہیں بتایا۔ اس وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ ہم ان کے ساتھ زیادتی والے طریقے کو استعمال کریں۔

کمیٹی : کیا ان احکامات کو نافذ کرنے میں فوجی افراد بھی تمہاری مدد کرتے تھے؟

یورگس : فوجیوں میں سے اکثریت نے اس طریقے کو استعمال کرنے میں ہماری مدد کی۔

کمیٹی : بچوں پر تشدد کرنے والے احکامات کو براہِ راست نافذ کرنے کی ذمہ داری کس کے سپرد کی گئی تھی؟

رویگ : احکامات ابوغریب جیل کی انچارج بریگیڈیئر جنرل جینس کارپنسکی کی طرف بھیجے گئے تھے۔

کمیٹی : کارپنسکی نے بچوں کے خلاف ہونے والے اقدامات کے بارے میں تمہیں آگاہ کیا تھا؟

یورگس : بعض اقدامات کے بارے میں جنگی رپورٹوں میں بتایا گیا، جنرل کارپنسکی ان رپورٹوں کے حوالے سے مکمل طور پر آگاہ تھی۔

کمیٹی : رپورٹوں میں کیا کہا گیا؟

یورگس : رپورٹ میں بچوں کے جسم کے حصوں کو کاٹنے، تیز دھار آلات ان کے سروں پر مارنے

اور کبھی کبھی ان کے جسم میں بعض اعضاء کو آگ سے جلانے کے بارے میں بتایا گیا۔

کمیٹی : تم لوگ یہ کرنے پر مجبور کیوں ہوئے جبکہ یہ بچے ہیں اور انہیں کچھ معلوم نہیں؟

یورگس : میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں لیکن یہ سب کچھ ہم ان کی بہنوں اور ماؤں کے سامنے کرتے تھے تاکہ انہیں معلومات فراہم کرنے پر مجبور کیا جاسکے۔ چونکہ صورتحال کافی پیچیدہ تھی اس لیے اس وقت ہم کچھ بھی کرگزرجانے کو بالکل تیار تھے۔ لیکن ابوغریب جیل کی انچارج کارپنسکی نے احکامات سے تجاوز کیا جس کی وجہ سے درجنوں بچے مرگئے۔

کمیٹی : کیا تم نے مرنے والے بچوں کو ان کے اقرباء کے حوالے کیا؟

یورگس : ہم نے یہ کام نہیں کیا بلکہ ہم نے خود ہی انہیں صحرا میں دفن کردیا، ہم چاہتے تھے کہ ان کی مائیں اور بہنیں انہیں دفن کرنے میں شریک نہ ہوں مگر انہوں نے اصرار کیا جس کی وجہ سے ہمیں انہیں اپنے ساتھ لے جانا پڑا اور وہ مناظر بہت ہولناک تھے۔

کمیٹی : مسٹر رویگ ! آپ سے سوال ہے کہ امریکی فوج نے عراقی نوجوانوں کے خلاف ٹارچر کے لیے انوکھے اور بہت خطرناک طریقے استعمال کیے، اس بارے میں تمہارے پاس کیا تفصیلات موجود ہیں؟

رویگ : پہلے میں یہ بتانا چاہوں گا کہ میں نے اپنے سربراہوں کو لکھ بھیجا تھا کہ میں تشدد کے لیے استعمال ہونے والے بعض طریقوں کے خلاف ہوں اور میں نے اپنا اعتراض بھی درج کروادیا تھا مگر اب تک میری کسی نے نہیں سنی۔

کمیٹی : تم نے اپنا اعتراض کس کی طرف بھجوایا تھا؟

رویگ : میں نے بنیادی طور پر یہ اعتراض وزیر دفاع رمزفیلڈ کی طرف بھجوایا تھا، اسی طرح میں نے کنڈولیزا رائس کی طرف بھی ایک نوٹ بک بھیجی تھی جس میں میں نے اپنے اعتراض کے اسباب تفصیلی طور پر درج کیے تھے۔ میں نے رائس سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ اس نوٹ بک کو صدر بش کے سامنے بھی پیش کرے۔

کمیٹی : کیا ہمیں اپنے اعتراضات کے بارے میں کچھ بتاؤ گے؟

رویگ : میرا اعتراض قیدیوں کے ساتھ ہونے والی تمام غیر اخلاقی حرکتوں کے خلاف تھا، بالخصوص جب مجھے علم ہوا کہ امریکی فوج میں موجود اکثر جنس پرست افراد کو عراق اس لیے بلایا گیا ہے تاکہ وہ ان قیدیوں کے

ساتھ بدفعلی کریں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیدی نوجوان بدفعلی اور زیادتی کے خلاف شدت سے مزاحمت کرتے ہیں۔ بعض اوقات قیدی زیادتی کے خلاف مصر رہے تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے، میرا سب سے بڑا اعتراض قیدیوں پر ٹریننگ یافتہ کتوں کو استعمال کرنے پر تھا؟

کمیٹی : کتے قیدیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے؟

رویگ : میرے پاس اہم رپورٹیں اور تصویریں موجود ہیں، مجھے موصول ہونے کے ساتھ وزیرِ دفاع کے دفتر کو بھی موصول ہوئیں، تصویروں اور رپورٹروں کے مطابق کتوں کو مردوں کے نازک اعضا (شرم گاہ) کاٹنے کے لیے اسپیشل ٹریننگ دی گئی۔ جنرل کارپنسکی نے جب مجھے اس بارے میں بتایا اور اس طریقے کو استعمال کرنے پر پورا اطمینان ظاہر کیا تو میں نے اس سے کہا کہ یہ طریقہ غلط ہے اور کسی امریکی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ یہ طریقہ استعمال کرے۔

کمیٹی : کارپنسکی نے کیا جواب دیا؟

رویگ : وہ عراقی نوجوانوں کو بغیر کسی لباس اور چادر کے مکمل برہنہ رکھنے پر مصر تھی۔ جو کوئی قیدی برہنہ رہنے کے خلاف احتجاج کرتا تو اُسے فوراً ہلاک کر دیا جاتا تھا، قیدیوں کو برہنہ صف بندی کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ دیوار میں نصب شدہ لوہے کی زنجیروں کے ساتھ اُن کے پاؤں اور ہاتھ باندھ کر زبردستی اُن کی ٹانگیں کھلوائی جاتی تھیں، پھر اچانک کتوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ وہ قیدیوں کے نازک اعضاء پر جھپٹیں اور انہیں کاٹ کر پھینک دیں، جو تصویریں مجھے موصول ہوئی ہیں وہ بہت بھیانک اور خون سے لت پت مناظر پر مشتمل ہیں۔ اکثر اوقات قیدیوں کے ساتھ کتوں کے ذریعے یہ طریقہ استعمال کرنے سے قیدی ہلاک ہو جاتے ہیں۔

کمیٹی : اس طریقہ کو استعمال کرنے سے ہلاک ہونے والے قیدیوں کی تعداد کتنی ہے؟

رویگ : میری اطلاعات کے مطابق ہلاک ہونے والوں کی تعداد 300 ہے۔ نازک اعضاء کٹ جانے کے بعد کچھ قیدی گھنٹوں تک شدید درد کی حالت میں زندہ رہتے تھے اور پھر وہ مر جاتے تھے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے فوجی ایسے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

کمیٹی : کیا عورتوں کے ساتھ یہی طریقہ استعمال کیا گیا؟

رویگ : نہیں۔ ہم نے عورتوں کے ساتھ یہ طریقہ استعمال نہیں کیا۔

کمیٹی : لیکن ہمارے پاس ایک لیڈی فوجی سے موصول ہونے والی رپورٹ موجود ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عورتوں پر کتوں سے تشدد کیا گیا جس کی وجہ سے کئی عورتیں اعصابی صدمے، خوف اور گھبراہٹ سے دوچار ہوکر ہلاک ہوگئی ہیں۔

کمیٹی : رویگ ! آپ سے سوال ہے کہ مردوں کے نازک اعضاء کو لچک دار تاروں کے ذریعے باندھ کر ٹارچر کرنے والے طریقے کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

رویگ : اس طریقہ کو استعمال کرنے کا مقصد عراقی نوجوانوں کو بغیر حرکت کے کھڑے ہونے پر مجبور کرنا ہوتا ہے۔ تاروں کو لکڑی کے مضبوط پھٹوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے، آخر وقت تک تار سخت رہتی ہے اگر کوئی ہلنے کی کوشش کرتا ہے تو تار مضبوط ہونے کے وجہ سے نازک اعضاء میں گہری چوٹیں لگا دیتی ہے۔

کمیٹی : کیا ٹارچر کے اس طریقے کو استعمال کرنے پر تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں تھا؟

رویگ : سچ یہ ہے کہ میں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

کمیٹی : کیا ان تاروں میں کرنٹ موجود تھا جو کسی بھی لمحے قیدیوں کو شاک کرسکتا تھا؟

رویگ : بجلی کے شاک تین قیدیوں پر اُس وقت چھوڑے گئے جب انہوں نے اِن تاروں پر اعتراض کیا۔

قارئین کرام ! آپ نے ملاحظہ کرلیا روشن خیال اعتدال پسند اور مہذب امریکیوں کا بے کس عورتوں بچوں اور جوانوں کے ساتھ '' مہذبانہ سلوک ''۔ جی ہاں؟ یہ وہی امریکی ہیں جو شب و روز روشن خیالی، اعتدال پسندی، انسانی حقوق، آزادی اور رواداری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ آپ شاید پہلی بار امریکیوں کے ان کرتوتوں سے واقف ہوئے ہوں گے مگر امریکا کے خلاف جہاد کرنے والے بہت عرصہ سے ''مہذب بھیڑیوں'' کی نفسیات سے واقف ہیں، تب ہی تو وہ اپنا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مولای صل وسلم دائماً ابداً — درسِ حدیث — علی حبیبک خیر الخلق کلھم

> حضرت اقدس پیرو مرشد مولانا سید حامد میاں صاحبؒ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اِس فیض کو تا قیامت جاری و مقبول فرمائے۔ (آمین)

سب محتاج اور گناہ گار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں

تخریج و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب

کیسٹ نمبر ۴۶ سائیڈ بی (۱۹۸۵۔۵۔۱۰)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین امابعد !

ایک حدیث شریف میں جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے آتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

سب گمراہ ہیں :

یَاعِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُ تم سب کے سب گمراہی ہی پر ہو سوائے اُن کے جنھیں میں ہدایت عطا فرمادوں۔ **فَاسْئَلُوْنِی الْھُدٰی اَھْدِکُمْ** مجھ سے تم ہدایت چاہو میں تم کو ہدایت دوں گا۔

سب محتاج ہیں :

وَکُلُّکُمْ فُقَرَآءُ اِلَّا مَنْ اَغْنَیْتُ فَاسْئَلُوْنِیْ اَرْزُقْکُمْ تم سب کے سب محتاج ہو سوائے اُن کے جنھیں میں بے نیاز کردوں مستغنی کردوں۔ ہاتھ اور پاؤں بھی نہیں ہلاسکتا آدمی۔ ہاں خدا قدرت دے تو پھر ٹھیک ہے، ورنہ تو سراپا محتاج ہے۔ احتیاج ہی احتیاج ہے اِس کے اندر، خدا قوت دیتا ہے قدرت دیتا ہے تو ہاتھ پاؤں

ہلتے ہیں، اصل میں تو قدرت خداوند کریم کے قبضہ میں ہے۔

ارشاد فرمایا کہ جب سب کے سب محتاج ہو، اور ہر چیز کے محتاج ہو، تمام ضروریات جو انسان کی ہیں اُن سب میں انسان محتاج ہے ضرورت مند ہے فَاسْئَلُوْا نِیْ اَرْزُقْکُمْ تو مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

سب گناہگار ہیں :

کُلُّکُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَیْتُ اور تم سب کے سب گناہگار ہو سوائے اُن کے کہ جنھیں میں عافیت دُوں بچالوں گناہ سے، وہ بچے گا گناہ سے ورنہ طبعاً انسان گناہ کی طرف، ضلالت کی طرف، گمراہی کی طرف چلتا ہے۔ ارشاد فرمایا فَمَنْ عَلِمَ مِنْکُمْ اِنِّیْ ذُوْقُدْرَۃٍ عَلَی الْمَغْفِرَۃِ تم میں سے جو یہ جان لے کہ میں بخشنے پر قدرت رکھتا ہوں فَاسْتَغْفَرَلِیْ پھر وہ مجھ سے معافی چاہے استغفار کرے غَفَرْتُ لَہٗ میں اُسے معاف فرمادیتا ہوں وَلَا اُبَالِیْ اور مجھے کوئی پروا نہیں ہوتی کہ اُس نے کیا گناہ کیے تھے۔ اور ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کہ میرے لیے تو سب برابر ہیں سب میری مخلوق سب میری سلطنت سب میری حکومت، کوئی کہیں بھی چلا جائے وہاں میری حکومت ہے، کچھ بھی کسی کو ملے وہ میرا ہی دیا ہوا ہے، دنیا میں ہے تو اور آخرت میں ہے تو۔

اگر سب نیک ہوجائیں :

ارشاد فرمایا یہاں کہ وَلَوْاَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اگر تم میں سے تمہارے اول اور آخر جو پہلے گزر چکے ہیں اور جو بعد میں آئیں گے اور جو زندہ ہیں اور جو مر چکے ہیں اور جو تروتازہ ہیں یا خشک ہیں یہ سب کے سب اِجْتَمَعُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ سارے کے سارے اگر اتنے نیک ہوجائیں کہ جو سب سے زیادہ نیک اور متقی کا قلب ہے ویسے ہی سب کا قلب ہوجائے، سب اس درجہ میں ہوجائیں تو ارشاد ہوتا ہے مَازَادَ ذَالِکَ فِیْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ میرے ملک میں اِس سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی کوئی بڑھوتری نہیں آئے گی حتّٰی کہ ایک پشّو کے پر کے برابر بھی یہ نہیں کہ میری سلطنت بڑھ گئی۔ میری سلطنت پہلے بھی تھی اب بھی ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے قیامت کے دن جب صور پھونک دیا جائے گا اور سب فناء ہوچکے ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ آج کس کا ملک ہے کس کی سلطنت ہے کس کی حکومت ہے آج؟ کوئی جواب دینے والا بھی نہیں ہوگا خود ہی ارشاد فرمائیں گے لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ اللہ ہی کے لیے ہے جو یکتا ہے جو قہار ہے بڑے غلبہ والا ہے، بہت بڑا غلبہ ہے اُس کا۔

اگر سب بُرے ہوجائیں گے :

اوراگرفرض کیجیے وَلَوْاَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ سارے کے سارے اول اورآخر، زندہ اورمردہ تروتازہ اورخشک سارے جمع ہوجائیں عَلٰی اَشْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ سب سے زیادہ بدنصیب بدبخت میرے بندوں میں جو ہوں اُس کا دل جیسا ہے ویسے ہی سب کا دل اگر معاذ اللہ ہوجائے، تو مَا نَقَصَ ذَالِکَ مِنْ مُّلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ میری سلطنت میں میرے قبضہ وقدرت سے ایک پِسّو کے پَر کے برابر بھی کمی نہیں ہوگی۔ کمی تو وہاں آئے جہاں کوئی چیز نکل کر کہیں جارہی ہو مگر وہ تو ہے ہی اِس دائرہ میں، وہ مخلوق ہے مخلوقات کے درجہ سے نہیں نکل سکتی چاہے وہ قریب ہو چاہے وہ دُور ہو، چاہے جہاں ہو، اتنے فاصلہ پر ہو جو ماپے نہیں جاسکتے کوئی پیمانہ اُن کا نہیں ہے روشنی کا بھی پیمانہ نہیں روشنی کے سالوں کا بھی پیمانہ نہیں، یہاں انسان کی عقل ختم ہوجاتی ہے۔

عقل محدود ہے :

محدود ہے عقل بھی، اگرچہ بہت بڑی چیز ہے عقل بلاشبہ، پھر عقل کی سواریاں ہیں جن پر سوار ہوکر وہ کام کرتی ہے۔ قوتِ خیالیہ ہے، قوت واہمہ اور دیگر طاقتیں ہیں اِس قسم کی جو خدا نے عقل کو بخشی ہیں جن سے وہ سارے خیالات جمع کر کے خاکے بنالیتی ہے، آگے کے خاکے بنالیتا ہے ایسے کروں گا ایسے ہوگا، یہ کروں گا یہ ہوگا، اور وہ صحیح بناتی ہے، انہی پر دُنیا ترقی کیے جارہی ہے، لیکن تمام چیزوں کے باوجود وہ بہت چھوٹی سی چیز ہے اور محدود ہے۔ لامحدود کا تصور اِس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس واسطے وہاں عاجزی کرلینی چاہیے اور اُس طرف دماغ کو دوڑانا ہی نہیں چاہیے، اگر کوئی آدمی تنہا بیٹھ کر وسعتوں کا خیال کرنا شروع کردے اور ساری عمر اِس میں گزار دے تو بھی وہ وسعتیں محدود ہی ہوں گی۔ اللہ پاک اور اُس کا ملک لامحدود ہیں، لہٰذا منع فرمادیا کہ اس طرح کے خیالات میں نہ پڑو، یہ اُلجھن ہے، تمہارے بس سے باہر ہے، جو چیز تمہارے بس سے باہر ہے اُس میں نہ پڑو۔

اللہ تعالیٰ یہاں ارشاد فرمارہے ہیں کہ سارے کا سارا میرا ہی ملک ہے۔ اِس کونے میں سے اُٹھا کر وہاں رکھ دوں تو کیا ہوگیا؟ وہاں سے اُٹھا کر یہاں رکھ دوں تو کیا ہوگیا؟ فاسقوں کو دے دوں یہ چیز تو کیا ہوگیا اور نیکوں کو دے دوں تو کیا ہوگیا؟ کوئی فرق نہیں پڑتا، ہے تو سارا میرا ملک اور ساری میری مخلوق ہے اور سب میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ ارشاد فرمایا وَلَوْاَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اول

آخر زندہ مُردہ رطب ویابس اِجْتَمَعُوا فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ سب ایک زمین میں جمع ہو جائیں اُس کے بعد فَسَئَلَ کُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْھُمْ مَابَلَغَتْ اُمْنِیَّتُہٗ ہرانسان اپنی اپنی انتہائی آرزو جو اُس کی ہوسکتی ہے وہ میرے سامنے پیش کرے اور مانگے، مجھ سے سوال کرے فَاَعْطَیْتُ کُلَّ سَائِلٍ مِّنْکُمْ ہرآدمی وہ مانگ رہا ہے جہاں اُس کی آرزوئیں انتہا کو پہنچ سکتی ہیں اور میں ہر سائل کو وہ دے دُوں جو اُس کے دماغ کی اور اُس کی عقل کی اور تمام قوتوں کی انتہا ہے، ہر ایک کو میں وہ دے دوں۔ تو ارشاد فرماتے ہیں مَانَقَصَ ذَالِکَ مِنْ مُّلْکِی تو بھی میرے ملک میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اب یہ سمجھانے کے لیے ویسے ہی فرمادیا، حقیقت میں اتنا بھی نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ وہ دے رہا ہے اور جسے دے رہا ہے دونوں اُس کا ملک ہیں تو کمی کہاں سے آئے گی۔

اِس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے یہاں سے یوں گھوم گئی ایک چیز تو کمی کا تو سوال ہی کوئی نہیں۔ البتہ انسان سوچتا ہے کچھ تو ہوا ہوگا، تو ''کچھ'' کے لیے فرمادیا کہ بس یوں سمجھ لو کہ تم میں سے کوئی آدمی سمندر میں گزرے اور اُس میں سوئی ڈبوئے پھر وہ اُٹھالے تو اِس سے کیا کمی آئے گی سمندر میں؟ کچھ کمی نہیں آئے گی اِس میں، ایک طرح کی نفی ہی ہوگئی۔ لیکن پھر بھی سمندر میں کمی تو آگئی چاہے قطرہ سے بھی کم کی کمی آئی ہو، اللہ کے ہاں یہ بھی نہیں ہے اور سمندر پھر محدود ہے اور خدا کی ذات لامحدود ہے۔ یہی ایمان ہے، یہی بتایا ہے انبیاء کرام نے اور اسلام نے کہ اللہ کی ذات اور صفات لامحدود ہیں، قدرت لامحدود ہے اُس کی۔ دیکھ لیں ہر آدمی کے چہرے گنتے جائیں یہاں سے وہاں تک پوری دُنیا میں گھوم جائیں، ایک دوسرے سے ملتا ہوا نہیں ہوگا۔ اور اگر آپ کو دے دیا جائے کہ اتنے فٹ ہے اور اِس میں اتنی شکلیں بناؤ، کتنی بنائیں گے تھک جائیں گے کچھ بھی نہیں کرسکتے، عقل میں نہیں آتی بات۔ یہ بھی عقل سے باہر ہے کہ چار ارب کی تعداد میں انسان ہوں اور ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہو جدا ہو عقل سے باہر ہے، اور یہ بھی نہیں کہ کوئی سوفٹ کا ہے کوئی ہزار فٹ کا ہے، یہ بھی نہیں ہے۔ وہ ذرا سا ہے چند فٹ کا دس فٹ کا بھی نہیں ہے اس میں اتنا فرق، گویا اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت دکھاتا ہے اس طرح باطن بھی جدا ہے جیسے ظاہر جدا ہے، ہر ایک کا معاملہ خدا سے جدا ہے تھوڑا تھوڑا سا فرق ہے، خدا نے بنایا ہی جدا ہے۔ تو اِرشاد فرمایا کہ جیسے کوئی سوئی ڈبوئے سمندر میں اور نکالے تو کیا کمی آئے گی اس میں، کوئی کمی نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ سخی ہیں :

ارشاد فرمایا ذَالِکَ بِاَنِّیْ جَوَّادٌ یہ اس لیے ہے کہ میری صفات میں ہے سخاوت مَاجِدٌ. مَاجِدٌ کا

معنٰی یہ ہے کہ وہ سخاوت میں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جو میں نے کہا ہے وہ میں کر بھی سکتا ہوں اور میں کرتا ہی ہوں۔ ارشاد فرمایا اَفْعَلُ مَا اُرِیْدُ جو میں چاہوں وہ کرلوں عَطَائِیْ کَلَامٌ وَعَذَابِیْ کَلَامٌ میں کسی کو دینا چاہوں تو کلمہ " کُنْ " فرمادُوں تو وہ ہو جائے گا اور اگر کسی کو عذاب میں مبتلا کروں تو بھی معاذ اللہ کلمہ " کُنْ " فرمادوں، عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، تو عَطَائِیْ کَلَامٌ وَعَذَابِیْ کَلَامٌ اِنَّمَا اَمْرِیْ لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ میں جب کوئی چیز چاہتا ہوں تو " کُنْ " فرمادوں تو وہ ہو جاتی ہے اور " کُنْ " فرمانے میں بھی دیر لگی اِس سے بھی پہلے ہو جاتا ہے اور " کُنْ " فرمانے کا بھی میں محتاج نہیں ہوں، ارادہ فرمالے تو ہو جاتا ہے۔ اور اصل چیز اُس کا ارادہ ہے، کبھی " کُنْ " فرمادے تو ہے اور حکم فرمادے تو ہے، آہستہ آہستہ کرنا چاہے تو ہے، چھ مہینے بعد کھیتی ہوگی سال بعد فلاں موسم آئے گا نو مہینے دس مہینے بعد آئے گا فلاں چیز کا موسم۔ ایسے اُس نے نظام بنادیا یہاں، اُس کی قدرت ہے اُس نے یہاں ایسے بنادیا، اور جنت میں ایسے بنادیا کہ جو ارادہ کرو، فوراً ہو جائے گا، وہاں وہ نظام بنادیا ہے دیر ہی نہ لگے، پھل کو دل چاہتا ہے ابھی پیدا ہو جائے گا ابھی درخت اُگے گا اور اُس پر ابھی پھل آجائے گا اور ابھی پک جائے گا، سارے کام ہو جائیں۔ وہاں کے بارے میں یہ آتا ہے کہ وہاں یہ ہوگا تو اُس نے ایک نظام بنادیا ہے اُس پر چل رہا ہے۔ وہ اِس نظام کا محتاج نہیں ہے۔ جب وہ چاہے جو چیز چاہے وہ فوراً ہو سکتی ہے۔ عَطَائِیْ کَلَامٌ وَعَذَابِیْ کَلَامٌ اِنَّمَا اَمْرِیْ لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہے اور آگے فضیلت استغفار کی آرہی ہے کہ جو بندہ یہ سمجھ لے کہ میں بخشنے والا ہوں اور مجھ سے وہ استغفار کرے غَفَرْتُ لَهٗ میں اُسے بخش ہی دیتا ہوں وَلَا اُبَالِیْ پروا بھی نہیں کرتا، بس میں بخش دوں گا اور جو اُس کی تقصیرات ہیں وہ بھی معاف کر دیتا ہوں۔

ایک اشکال کا جواب :

یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ ایسے بخش دیتا ہے تو بعض لوگوں کے حقوق بعض لوگوں کے ذمہ ہوتے ہیں وہ کیسے بخش دیتا ہے؟ تو اِس کا بھی انتظام ہے، اللہ تعالیٰ بدل دِلوا دیتے ہیں اُس سے قیامت کے دن اپنے پاس سے۔ جسے بخشنا ہے اُسے بخش ہی دیں گے تو جن کے حقوق ہیں اُنکے حقوق ادا فرمادیں گے اپنے پاس سے بس اپنے اعمال پر نظر رہنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا اور فضل سے نوازے۔ آمین۔ اختتامی دُعا.....

۞ ۞ ۞

سلسلہ نمبر ۱۳

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

قرآن پاک سے تعلق اور اُس کی برکات

تحریر فرمودہ : ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ / ۲۰ مارچ ۱۹۷۶ء

﴿ نظر ثانی و عنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین امابعد !

فضیلت قرآن کریم اس درجہ زیادہ آئی ہے کہ جو آدمی قرآن پاک بغیر ترجمہ جانے بھی پڑھے یا سنے اُسے ثواب حاصل ہوتا ہے، اور سمجھ کر پڑھنے پر اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں :

اِنَّکُمْ لَا تَرْجِعُوْنَ اِلَی اللّٰہِ بِشَیْءٍ اَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْہُ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ . (رواہ الحاکم وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ مستدرک ص ۵۵۵ ج ۱)

''تم اللہ کے دربار میں اُس چیز سے بڑی افضل کوئی چیز لے کر پیش نہیں ہو سکتے جو اُس کی ذاتِ پاک سے ظہور میں آئی ہو یعنی قرآن پاک''۔

قرآن پاک کلام اللہ ہے۔ قائم بذاتہ تعالیٰ ہے۔ احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ تو قرآن پاک کے کلامُ اللہ اور غیر مخلوق ہونے میں اتنی بڑی آزمائش سے گزرے ہیں کہ شہید ہی کر دیئے گئے، وہ حماد بن زید سفیان بن عینیہ اور امام مالک رحمہم اللہ کے شاگرد تھے۔ یحیٰ بن معینؒ کے اُستاذ تھے، اُن کا قاتل خود واثق تھا۔ (البدایہ والنھایہ ج ۱۰)

امام شافعیؒ اس فتنہ کی شدت سے پہلے مصر تشریف لے گئے تھے لیکن جب یہ فتنہ جنم لے رہا تھا تو وہ یہ فرمایا کرتے تھے :

اَلْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللّٰہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ وَمَنْ قَالَ مَخْلُوْقٌ فَھُوَ کَافِرٌ (البدایہ ص ۲۵۴ جلد ۱۰)

''قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے اور جس نے اس کو مخلوق کہا وہ کافر ہے''۔

پھر امام احمد بن حنبل اور احمد بن نصر مذکور الصدر رحمہم اللہ شدید امتحان سے گزرے۔ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے مگر یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اِسی طرح اُس کی صفات بھی قدیم ہیں جن میں اُس کی صفت علم بھی ہے اور صفت کلام بھی ہے۔ قرآن پاک اُس کا کلام ہے وہ بھی مخلوق نہیں ہے۔ جب ہم اُس کی تلاوت کرتے ہیں تو ہماری زبان اُس کلام کا محلِ ظہور ہوتی ہے اور کلام وہی کلامِ قدیم پہلے سے ہوتا ہے۔ اللہ پاک اپنے کلام اور وحی کے ظہور کے لیے جو طریقہ چاہے اختیار فرما سکتا ہے۔ چاہے طور پر درخت کو ذریعہ بنالے، چاہے فرشتہ کو ذریعہ بنالے اور چاہے لوحِ محفوظ کو۔ اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کو یہ نعمتِ عظمیٰ عطا ہوئی کہ وہ اپنی زبان کو اداءِ کلامِ الٰہی کے لیے استعمال کر سکیں۔ ہم لوگ جب کسی کی کوئی بات نقل کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ بات کہی اُس کے الفاظ یہ تھے وغیرہ، اور وہ قول اُسی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اِسی طرح قرآن پاک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس لیے حدیث مذکور میں اتنی عظیم فضیلت ارشاد فرمائی گئی۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں :

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ .(بخاری)

''تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور تعلیم دیتے ہیں''۔

ارشاد ہوا :

" مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَقَدِ اسْتَدْرَجَ النُّبُوَّةَ بَيْنَ جَنْبَيْهِ غَيْرَاَنَّهٗ لَا يُوْحٰى اِلَيْهِ

(مستدرك ص ۵۵۲)

''جس نے قرآن پاک پڑھ لیا اُس نے (گویا علم) نبوت اپنے پہلوؤں میں سمولیا سوائے اس کے کہ اِس پر وحی نہیں اُتری''۔

ارشاد فرمایا گیا : لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ.... الحديث یعنی قابلِ حسد وغبطہ تو دو قسم کے آدمی ہیں، ایک وہ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک عطا کیا ہے وہ دن کے اوقات میں بھی اِسے (عمل وتلاوت سے) قائم رکھتا ہے اور رات کو بھی تلاوت کے لیے کھڑا رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے اور وہ (اُس کی خوشنودی کے لیے) دن اور رات کے اوقات میں صرف کرتا رہتا ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

مَنْ قَرَأَ عَشْرَ اٰيَاتٍ فِيْ لَيْلَةٍ لَّمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ (مستدرك ص ۵۵۵ ج ۱)

''جو کسی شب دس آیتوں کی تلاوت کرے وہ غافلوں میں نہیں لکھا جاتا''

ایک حدیث پاک کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے :

اُتْلُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْجُرُكُمْ عَلٰى تِلَاوَتِهٖ كُلَّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ...الحديث

(مستدرك ص ۵۵۵ ج ۱)

''قرآن پاک کی تلاوت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اِس کی تلاوت پر ہر حرف پر دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔ دیکھو میں یہ نہیں کہتا کہ "الم" ایک حرف ہے بلکہ یہ الف لام اور میم ہیں (یہ تین حرف ہیں)''۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے مثال کے لیے وہ آیت پیش فرمائی ہے جس کا مطلب اُمت میں کسی کی بھی سمجھ میں قطعی طور پر تو نہیں آسکتا اور کوئی مطلب کی قطعی تعیین کا دعویٰ نہیں کرسکتا لیکن اس کے باوجود ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جب انسان کلامِ الٰہی ہونے کے اعتقاد سے اِن کی تلاوت کرے گا تو

ایمان وایقان کی تازگی ہوگی چاہے معنی نہ سمجھ میں آرہے ہوں۔ نیز جو بھی قرآن پاک تلاوت کرنے والا تلاوت کرے گا اور دل میں یہ اعتقاد قائم رکھے گا تو یقیناً اُس کی توجہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ہوگی اور جتنی دیر اس طرح خداوندِ کریم کی طرف پڑھتے یا سنتے وقت متوجہ رہے گا کہ ''یہ اُس کا کلام ہے'' اُسے اِس توجہ پر اجر ملے گا اور اِس کا خداوند کریم کی اِس صفتِ عظیمہ سے اتصال رہے گا۔

بکثرت حفاظ ایسے ہی ہوتے ہیں جن کی نظر معانی تک نہیں پہنچتی مگر اجر اُن کو ملتا ہے۔ اُن کی ایمانی قوت بڑھتی ہے۔ اُن کی صورت، سیرت اور معاملات سب ہی میں رفتہ رفتہ تقوٰی سرایت کرتا چلا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ .....الحدیث (مستدرک ص ۵۵۴ ج ۱ ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم)

روزہ اور قرآن پاک بندہ کی شفاعت کرتے ہیں، روزہ عرض کرتا ہے کہ خداوندکریم میں نے دن میں اِس کی مرغوب چیزوں اور کھانے سے اِسے روکا تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہتا ہے کہ میں نے رات کو اِسے سونے سے روکا، تو دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس لیے آپ صحابہ کرامؓ کے علاوہ بزرگانِ دین کے حالات میں شغف بالقرآن بہت پائیں گے۔ منصور بن المعتمر رحمۃ اللہ علیہ چالیس دن روزہ سے رہے اور ساری رات عبادت میں روتے رہتے تھے۔ صبح کو آنکھوں میں سرمہ لگا لیتے تھے اور سر پر تیل وغیرہ لگا کر اپنی حالت دُرست کر لیتے تھے۔ ان کی والدہ فرماتی تھیں کہ کیا تم نے قتل کے جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ وہ عرض کرتے تھے کہ میں جانتا ہوں جو میرے نفس نے کر رکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ص ۱۴۲ ج ۱)

ابو مسہرؒ فرماتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ ساری رات نماز تلاوت اور رونے میں گزار دیتے تھے (تذکرہ ص ۱۷۹ ج ۱) ابن ابی ذئب کے بھائی اُن کا حال بیان کرتے ہیں کہ ایک روز روزہ رکھا کرتے تھے ایک دن نہیں رکھتے تھے، پھر مسلسل رکھنے لگے۔ اِن ہی کے بارے میں ہے کہ ساری رات عبادت میں گزارتے تھے اور اگر اِن سے یہ کہا جاتا کہ کل قیامت آنے والی ہے تو (وہ پہلے ہی سے اتنی عبادت کے عادی تھے کہ) اُن کی عبادت میں اور زیادتی نہیں ہو سکتی تھی۔ (تذکرہ ص ۱۹۱ ج ۱)

وکیع رحمۃ اللہ علیہ حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ انہوں نے، ان کی والدہ اور بھائی نے رات کی عبادت آپس میں تین حصوں میں تقسیم کر رکھی تھی ۔ جب والدہ کی وفات ہوگئی تو دونوں بھائیوں نے آدھی آدھی رات بانٹ لی ۔ حسن کے بھائی کا نام علی تھا اُن کی وفات ہوگئی تو ساری رات خود حسن عبادت کیا کرتے تھے ۔ ابوسلیمان دارانی حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہم کے بارے میں فرماتے ہیں میں نے کسی پر اِتنا زیادہ خوفِ خدا نمایاں نہیں دیکھا، اِن میں دیکھا ہے کہ ایک شب اُنہوں نے سُورہ عمّ یتساء لون شروع کی، اِس کا اثر ایسا ہوا کہ بیہوش ہوگئے، وہ فجر تک یہ سُورت پوری نہ پڑھ سکے ۔ (تذکرہ ص ۲۱۶ ج ۱)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں رات بھر نہیں سوتے ۔ امام صاحبؒ فرمانے لگے کہ خدا کی قسم یہ مناسب نہیں ہے کہ لوگ میرے بارے میں ایسی بات کہیں جو میں نے نہ کی ہو ۔ تو اُس کے بعد سے ان کی ساری رات نماز دُعا اور گڑگڑانے میں گزرتی تھی ۔ (تذکرہ ص ۱۶۹ ج ۱)

میں نے یہ چند واقعات اِن اکابر کے نقل کیے ہیں جو علوم نبویہ کے حامل تھے اور جن سے دُنیا میں اسلام پھیلا اور ہم تک پہنچا، اللہ تعالیٰ اِن کے درجات بلند فرمائے ۔ ہمیں اِن ہی کے راستہ پر چلا کر ہم سے اپنے دین کی خدمت لے اور ان کے ساتھ محشور فرمائے ۔ آمین ثم آمین ۔

امام شافعیؒ کی کثرتِ تلاوت بھی اسی طرح منقول ہے ۔ قرآن پاک کا یہ معجزہ ہے کہ ہمارے علاقہ میں بھی ایسے بچے موجود ہیں جنہوں نے صرف سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا حالانکہ ان کی زبان عربی نہیں ہے نہ وہ عربی سمجھ سکتے ہیں ۔

اسی طرح بڑی عمر میں حفظ کرنے والوں کی بھی مثالیں موجود ہیں ۔ خود میرے والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ نے ۶۴ سال کی عمر میں حفظ قرآن پاک کیا ۔ تمام مشاغل کے باوجود تکمیل فرمادی ۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب جو " احوالُ الموتٰی والقبور " پر لکھی ہے اس میں روایت دی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی کی قرآن پاک کی تعلیم پوری نہ ہونے پائی ہو اور موت آگئی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کے لیے فرشتہ مقرر فرمادیتے ہیں جو اُسے پورا کرادیتا ہے ۔

بعض لوگ قرآن پاک پڑھنا چاہتے ہیں لیکن الفاظ باوجود کوشش کے ادا نہیں کر پاتے ، اُن کے بارے میں بخاری و مسلم میں روایت آئی ہے۔

وَالَّذِیْ یَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَآقٌّ لَّهٗ اَجْرَانِ . (مسلم ص۲۶۹ج۱)

''وہ آدمی جسے ادائیگی میں دُشواری ہوتی ہے اور اُس میں مشقت اُٹھاتا ہے، اُس کو دُہرا اجر ملتا ہے''۔

یہ دین سب ہی کے لیے ہے عربی ہوں یا عجمی کم استعداد کے ہوں یا کامل استعداد کے اس لیے ثواب بھی سب ہی کے لیے ہوگا۔ قرآن پاک کی تلاوت سے ہر صدمہ میں سکون میسر آتا ہے۔

حضرت اُسَید بن حضیر کو تو سکینہ متشکل بھی نظر آیا تھا جو بخاری و مسلم شریف وغیرہ کی صحیح احادیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔ (مسلم ص۲۶۹ ج۱)

مختلف سورتوں اور آیتوں کے یاد کرنے اور تلاوت کرتے رہنے کی احادیث میں جا بجا تعلیم دی گئی ہے ایک صحابی کو سورہ قل ھواللہ سے بہت محبت تھی۔ ارشاد فرمایا : اِنَّ حُبَّكَ اِیَّاهُ اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ تمہیں اس کی محبت جنت میں داخل کرائے گی۔

آیت الکرسی سورہ بقرہ کی آخری آیات کی بہت فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ پوری سورہ بقرہ اور سورہ ال عمران کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے دربار میں اپنے پڑھنے والے کی طرف عذاب سے مدافعت کریں گی۔ قل ھواللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس کی فضیلتوں میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت اِنہیں پڑھ کر اپنے مبارک ہاتھوں پر دم کر کے پورے جسم اطہر پر ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے۔ اس عمل میں پیروی سنت کے ساتھ ساتھ اور بھی فوائد ہیں۔

سورۂ یٰسین، سورہ دخان، سورہ ملک کی فضیلتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ سورہ ملک عذابِ قبر سے بچاتی ہے سورہ ملک روزانہ پڑھنی علماء سلف کا معمول چلا آرہا ہے۔ سورۂ کہف کی شروع کی دس آیتیں پڑھنے والا شخص دجال سے محفوظ رہے گا۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ان آیات کے پڑھنے سے مکر و فریب اور چھوٹے دجالوں سے بھی انشاء اللہ حفاظت میں رہے گا۔

ہر شب سورۂ واقعہ کی تلاوت کی فضیلت بھی ارشاد فرمائی گئی اس میں ایک دنیوی نفع بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس کا پڑھنے والا فاقہ سے محفوظ رہے گا۔

قرآن پاک جس کی عظمت تحریر نہیں کی جاسکتی۔ جب اتنا عظیم المرتبت ہوا تو اِسی قدر اِس کی تعظیم واجب ہوگی اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کو اِس کے فہم کے وقت سب سے مقدم کرنا ہوگا۔ ورنہ اسی قدر عظیم خطرات بھی پیش آنے کا اندیشہ ہوگا۔ جب آپ حضرات عربی پڑھیں گے اور ترجمہ قرآن پاک دیکھیں گے تو بہت سی جگہ لغت کے ترجمہ سے اکابر علماء کا ترجمہ ہٹا ہوا دیکھیں گے۔ اسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ شریعت مطہرہ نے اس لفظ کو خاص معنی میں استعمال فرمایا ہوتا ہے وہاں تک سوائے ان حضرات کے جو علم کی گہری بصیرت رکھتے ہوں دوسروں کی نظر نہی جاتی۔ بخاری شریف میں تفسیر دیکھنے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کا ترجمہ تو یہ ہے کہ وہ جو کچھ کیا کرتے تھے اُس کے متعلق اُن سے قیامت میں سوال ہوگا، لیکن امام بخاریؒ نے تفسیر کی ہے۔ عَنْ قَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اُن سے قیامت کے دن لا الٰہ الا اللہ کے بارے میں سوال ہوگا۔ آپ کا جی چاہے گا کہ جہاں سہولت کی چیز میسر ہو فوراً گنجائش نکالیں۔ یہ انسان کا نفس اپنی طرف کھینچتا ہے اس سے بچنا چاہے، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے میں حاکم فرماتے ہیں کہ اوزاعیؒ اپنے زمانہ کے سب کے امام تھے اور اہلِ شام کے خصوصاً، وہ فرمایا کرتے تھے :

خَمْسَةٌ كَانَ عَلَيْهَا الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُوْنَ ...الخ

پانچ باتوں پر صحابۂ کرام اور تابعین قائم رہتے تھے۔

(۱) جماعت کے ساتھ رہتے تھے (یعنی اقوال وعقائد میں)

(۲) سنت کی پیروی کرتے تھے

(۳) مسجدیں آباد رکھتے تھے (جماعت وتلاوت وغیرہ مناسب کاموں سے جو مسجد میں ہوتے ہیں)

(۴) تلاوت

(۵) جہاد

اوزاعیؒ فرماتے تھے: آثار سلف پر قائم رہو چاہے تمہیں لوگ چھوڑ دیں۔ لوگوں کی رائے سے بچو اگرچہ وہ خوب عمدہ (مزین) ہو۔ معاملہ سب کھل جائے گا اور تم ہی صراط مستقیم پر نظر آؤ گے۔ وہ فرماتے تھے جو علماء کی نادر

باتیں جوڑتا ہے (اور راہ پیدا کرتا ہے) وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ یہ سب تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۸۰ سے ماخوذ ہے۔

قرآن پاک کی فضیلت کے بارے میں ایک روایت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یَجِیْئُ صَاحِبُ الْقُرْآنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ... الحدیث (مستدرک ص ۵۵۲)۔ اس حدیث میں آتا ہے کہ اس سے فرمایا جائے گا کہ ''پڑھتا جا اور درجات قرب میں چڑھتا جا۔''

اور ہر آیت پر اِس کی ایک نیکی بڑھادی جائیگی۔ اسی مناسبت سے آخر میں تبرکاً ایک ایسے عالم ربانی کے دو واقعے لکھتا ہوں جو سنت پر قائم اور مبلّغِ دین تھے جو قرآن پاک کی سات متواتر قرأتوں میں ایک کے امام ہیں اِن کا اسم گرامی ''حمزہ'' ہے۔

خدا کی قدرت کہ حضرۃ عبداللہ بن مسعودؓ کی تعلیم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے دارالخلافہ بنانے سے کوفہ میں علماء صحابہ کی ساری دُنیا کے مقامات سے زیادہ اکثریت ہوگئی۔ قراء سبعہ میں سے تین کوفی ہیں جبکہ چار ساری دنیا کے مختلف مقامات میں تھے، اور قراء عشرہ میں سے چار کوفی ہیں چھ سارے عالمِ اسلام کے مختلف مقامات میں تھے۔ ان قراءتوں کے حق ہونے پر ہر مسلمان کا ایمان ہے چاہے وہ قاری ہو یا نہ ہو۔ اہلِ کوفہ میں ابوعبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حبیب السلمی بھی ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی قراءت سیکھی تھی اور قرآن پاک سنایا، چالیس سال مسجد کوفہ میں پڑھاتے رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکم سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے اِن سے قرآن پاک کی قراءت سیکھی حالانکہ وہ تابعی تھے اور یہ حضرات صحابی تھے۔ امام عاصمؒ نے حضرت علیؓ کی قراءت اِن ہی سے لی ہے۔ یہی وہ قرأت ہے جس کے آگے راوی حفص ہیں (حفص عن عاصمؒ)۔ حق ارشاد فرمایا : اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا.

غرض حمزہ رحمۃ اللہ علیہ اُن سات میں سے ایک ہیں۔ ان کے شاگرد سلیم بن عیسیٰ کہتے کہ میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے رُخسار زمین پر لگا رہے تھے اور رو رہے تھے۔ یہ اس حالت کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے اور عرض کرنے لگے کہ خدا آپ کو اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، یہ رونا کیسا ہے؟ وہ فرمانے لگے کہ میں نے گزشتہ شب یہ دیکھا کہ قیامت آگئی ہے اور کسی نے قرآن پاک کے قراء کو بلایا تو میں بھی اُن میں ہوں جو بلانے پر

آئے ہیں۔ اتنے میں میں نے یہ سُنا کہ کوئی شیریں گفتاری کے ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ یہاں وہ ہی داخل ہو جس نے قرآن پر عمل کیا ہو۔ میں یہ سن کر اُلٹے پاؤں لوٹ گیا تو مجھے کسی نے میرا نام لے کر آواز دی کہ حمزہ ابن حبیب زیّات کہاں ہے۔ میں نے کہا لبیک داعی اللہ۔ اس پر ایک فرشتہ بڑھا اُس نے کہا لبیک اللھم لبیک کہو۔ میں نے ایسے ہی کہا مجھے ایک مکان میں داخل کر دیا گیا جس میں میں نے قرآن پاک تلاوت کرنے والوں کی آوازیں سنیں۔ میں ٹھہر گیا اور میں کانپ رہا تھا۔ میں نے آواز سُنی، کوئی کہہ رہا ہے۔ کوئی خوف کی بات نہیں، چڑھو اور پڑھو۔ میں نے چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ میں سفید موتی کے ممبر پر ہوں، ایک سرخ یاقوت کی سیڑھی ہے اور ایک سبز زبرجد کی۔ کہا گیا کہ چڑھو اور پڑھو۔ میں چڑھا تو کہا کہ سورۃ الانعام پڑھو، میں نے پڑھی اور مجھے یہ نہیں پتہ کہ میں کس کو سنا رہا ہوں حتی کہ میں ساٹھویں آیت وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ پر پہنچا، کہا اے حمزہ! کیا میں اپنے بندوں پر غلبہ نہیں رکھتا ہوں۔ میں نے کہا بلا شبہ۔ فرمایا صَدَقْتَ اِقْرَءْ تو میں نے سورۂ اعراف پڑھی حتی کہ اس کے آخر پر پہنچا تو میں آیت سجدہ پر سجدہ کرنے لگا فرمایا کافی ہے چلو سجدہ نہ کرو۔ حمزہ تمہیں یہ قراءت کس نے سکھائی ہے میں نے کہا سلیمان نے۔ کہا صَدَق سلیمان کو کس نے پڑھایا ہے میں نے کہا یحیٰی نے فرمایا صدق یحیی ۔ یحیٰی نے کس سے پڑھا ہے میں نے کہا ابوعبدالرحمٰن سے۔ فرمایا صدق ابو عبدالرحمن . ابوعبدالرحمٰن کو کس نے پڑھایا ہے۔ میں نے کہا آپ کے نبی کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب نے۔ فرمایا صدق علی۔ علی کو کس نے پڑھایا ہے، میں نے کہا آپ کے نبی ﷺ نے۔ فرمایا صدق نبیی میرے نبی کو کس نے پڑھایا، میں نے کہا جبرئیل علیہ السلام نے۔ فرمایا جبرئیل کو کس نے پڑھایا، میں اس کے جواب میں خاموش ہو گیا فرمایا کہو کہ تو نے۔ یہ میری زبان سے ادا نہ ہو سکا تو پھر دوبارہ تلقین فرمایا گیا۔ میں نے کہا اَنْتَ قَالَ صَدَقْتَ یَاحَمْزَةُ .

اس کے بعد انعام واکرام سے نوازا گیا۔ اس رؤیا کا حضرت حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت مبارکہ پر غیر معمولی اثر تھا۔ اسی طرح ایک اور خواب میں حضرت حمزہ کو ارشاد ہوا کہ پڑھیں۔ انہوں نے تلاوت شروع کی حتٰی کہ سورۃ طٰہٰ میں وَاَنَا اخْتَرْتُكَ پر پہنچے تو خطاب ہوا وَاَنَا اخْتَرْتُكَ ہم نے ہی تمہیں (بھی) چن لیا ہے پھر پڑھنے کا حکم ہوا تو میں نے پڑھا حتی کہ سورۃ یٰسین پڑھتے ہوئے میں نے آیت تَنْزِيْلُ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

لام کے پیش سے پڑھی، حق تعالیٰ سبحانہٗ نے فرمایا تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ اے حمزہ زبر سے پڑھو یہی میرا کلام ہے، اسی طرح حملة العرش نے پڑھا ہے اور ایسے ہی پڑھانے والوں نے پڑھا ہے۔

پھر کنگن پہنائے گئے اور فرمایا گیا کہ یہ تمہارے قرآن پاک پڑھنے پر دیے گئے ہیں۔ پھر کمر میں پٹکا پہنایا گیا اور فرمایا یہ تمہارے دن میں روزہ سے رہنے پر عطا ہوا ہے۔ پھر تاج پہنایا گیا اور فرمایا یہ تمہارے لوگوں کو پڑھانے پر ہے۔ حمزہ تَنْزِیْلَهٗ کا زبر نہ چھوڑنا۔

حضرت حمزہ کو خواب میں یہ رویت بلا کیف رہی ہے اور کچھ حصہ مثالی بھی۔ لیکن یہ انعامات نہایت درجہ اخلاص پر اور قرآن پاک پر عمل پیرا ہونے سے اُن پر فرمائے گئے۔ بعد میں آج تک اُن کا فیض تواتر سے جاری چلا آرہا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

قرآنی اعمال واخلاق ہی سیرت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ کہ قرآن پاک کے احکام اور تعلیمات ہی آپ کی عادت واخلاق تھے۔ قرآن پاک پر عمل کے بارے میں یہ روایت پیش نظر رکھنی چاہیے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ سے سبعۃ احرف کی ایک تفسیر میں روایت نقل فرماتے ہیں جس کا ایک حصہ یہ ہے :

زَاجِراً وَّاٰمِراً وَّحَلَالاً وَّ حَرَاماً..... الحدیث (مستدرک ص ۵۵۳)

زَجْرٌ وامر حلت وحرمت محکم ومتشابہ اور امثال اُتارے گئے ہیں۔ جو حلال ہے اُسے حلال جانو، جو حرام ہے اُسے حرام جانو، جو تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ کرو، جس سے منع کیا گیا ہے اُس سے باز رہو۔ جو مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں اُن سے عبرت پکڑو محکمات پر عمل کرو، متشابہات پر ایمان رکھو اور یہ کہو کہ ہم اِس پر ایمان لائے۔ سارا ہی کلام اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق اعمالِ صالحہ اور اپنے قرب ورضا سے نوازے، آمین ثم آمین. واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

انسانی اعضاء کی پیوند کاری

Transplantation Of Human Organs

﴿ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ﴾

اِس وقت انسانی دل، گردے، جگر، پھیپھڑے، لبلبے (Pancreas)، آنکھ کے قرنیہ (Cornea) اور ہڈی گوشت وغیرہ کی پیوند کاری کی جارہی ہے۔ یہ اعضاء عطیہ کرنے والے کی موت پر تو حاصل ہوتے ہی ہیں لیکن ایک آدمی اپنے جگر کے ایک ٹکڑے عموماً (Right Lobe) کا اور اپنے ایک گردے کا عطیہ اپنی زندگی میں بھی کرتا ہے۔ جس شخص کا کوئی عضو ناکارہ ہوگیا ہو اور وہ کسی بھی طریقے سے دوسرے سے وہ عضو حاصل کرتا ہے اس کے لیے اور اس کے متعلقین کے لیے پیوند کاری کی حلت وحرمت کا مسئلہ نہ صرف اہم بلکہ انتہائی جذباتی بھی بن جاتا ہے۔ ہمارے دور میں اِس مسئلہ میں دو متضاد قول سامنے آئے ہیں، ایک حرمت کا جو کہ عام طور سے پاکستان و ہندوستان کے علماء کا ہے اگرچہ اب کچھ حضرات بعض پابندیوں کی قید لگاتے ہوئے حلت کے قول کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ دوسرا قول حلت کا ہے جو عام طور سے مصر و عرب کے علماء کا رہا ہے۔ ہم پہلے دونوں کے دلائل ذکر کرتے ہیں اُس کے بعد اِن میں سے کمزور قول کے دلائل کا جواب ذکر کریں گے۔

عدم جواز کے دلائل :

1۔ زندہ انسان اپنے جسم اور اعضاء کا خود مالک نہیں ہے اور وہ اِن میں مالکانہ تصرفات نہیں کرسکتا۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

i- خودکشی حرام ہے :

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا

عُذِّبَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (مسلم)

''ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں اپنے آپکو جس شے سے قتل کیا اُسی شے سے وہ قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا''۔

ii- کسی عضو کا بگاڑنا بھی حرام ہے :

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ ﷺ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ اِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَمَعَهٗ رَجُلٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَاجْتَوَوُاالْمَدِيْنَةَ فَمَرِضَ فَجَزَعَ فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَهٗ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهٗ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِيْ مَنَامِهٖ فَرَاٰهُ وَهَيْئَتُهٗ حَسَنَةٌ وَرَاٰهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهٗ مَاصَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرَلِيْ بِهِجْرَتِيْ اِلٰى نَبِيِّهٖ ﷺ فَقَالَ لَهٗ مَالِيْ أَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيْلَ لِيْ لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَّ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ. (مسلم)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب نبی ﷺ نے مدینہ (منورہ) کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کی طرف حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی اور اُن کے ساتھ اُن کی قوم کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی۔ مدینہ کی آب وہوا اُن کو راس نہ آئی اور وہ شخص بیمار ہو گیا اور (بیماری سے) اتنا پریشان ہوا کہ مجبور ہو کر اُس نے اپنے تیر کے پھل سے اپنی اُنگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے۔ اُس کے ہاتھوں سے خون بہتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اُس کو خواب میں دیکھا کہ وہ اچھی ہیئت میں ہے اور دیکھا کہ اُس نے اپنے ہاتھوں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اُس سے پوچھا کہ (تمہارے مرنے کے بعد) تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اُس

نے جواب دیا کہ اپنے نبی ﷺ کی طرف میری ہجرت کی وجہ سے میری بخشش کر دی، پھر انہوں نے اُس سے پوچھا کہ کیا بات تم نے اپنے ہاتھ کیوں ڈھانپ رکھے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ مجھ سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ جو تم نے خود کاٹ کر بگاڑے ہیں ہم ان کو دُرست نہ کریں گے اور چونکہ وہ درست نہیں ہوئے اس لیے میں اِن کو ڈھانپے ہوئے ہوں۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی تو رسول اللہ ﷺ نے دُعا فرمائی کہ (اے اللہ) اِس شخص کے ہاتھوں کو بھی بخشش دیجئے"۔

مذکورہ بالا ضابطہ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل مسائل بھی اخذ کیے گئے ہیں۔

(i) لحم الانسان لایباح فی الاضطرار. (ردالمحتار ص ۲۲۷ ج ۵)

" اضطرار کی حالت میں بھی انسان کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے"۔

(ii) لا یجوز التداوی بشیء من الآدمی الحی اکراما له (شرح السیر الکبیر)

" اکرام کی وجہ سے زندہ آدمی کے کسی جزو کو بھی بطورِ دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے"۔

(iii) خاف الموت جوعا وان قال له الآخر اقطع یدی وکلها لا یحل (ردالمحتار ص ۲۲۲ ج۵)

"جس شخص کو بھوک کی وجہ سے موت کا خوف ہو، اگر اُس کو کوئی دوسرا یہ کہے کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو تو اُس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے"۔

پیوندکاری کے لیے جب معطی (Donor) کا عضو مثلاً آنکھ یا گردہ نکالا جائے گا تو ظاہر ہے کہ جسمانی ہیئت بگڑے گی جس کی اجازت حدیث کی رُو سے جائز نہیں۔

2- آدمی مردہ ہو تو شریعت نے اُس کے اکرام کا بھی حکم دیا ہے۔

i- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ

جُیُوْشَهٗ قَالَ.....لَا تُمَثِّلُوْا. (احمد)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب اپنے لشکر روانہ کرتے تھے تو اُن کو یہ (بھی) فرماتے تھے کہ (لاش کا) مثلہ نہ کرنا (کہ اُس کے ناک، کان یا دیگر اعضاء کاٹنے لگو)۔

ii- قَالَ رَسولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِ عَظْمِ الْحَيِّ. (ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردہ کی ہڈی توڑنا ایسے ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا''۔

پیوندکاری کے لیے مردہ جسم سے اعضاء نکالنا اُس کے اکرام کے خلاف بھی ہے اور اس میں مثلہ بھی ہے جو ناجائز ہے۔

3- کسی دوسرے انسان کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں۔

i- عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ. (بخاری ومسلم)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی دوسرے انسان کے بال لگانے والی پر اور لگوانے والی پر لعنت فرمائی ہے''۔

انسانی اعضاء کی پیوندکاری کو ناجائز سمجھنے والے کہتے ہیں کہ پیوندکاری میں مذکورہ بالا تینوں ہی باتوں کی مخالفت پائی جاتی ہے۔

(i) معطی کا عضو مثلاً آنکھ یا گردہ نکالا جائے گا تو جسمانی ہیئت بگڑے گی۔

(ii) اس میں جسمِ انسانی کی بے اکرامی بھی ہے اور اس کا مثلہ بھی ہے۔

(iii) دوسرے کے بالوں کی پیوندکاری پر لعنت ہوئی ہے۔ بال جسم کا ایک عضو ہے اور قرنیہ، گردے، جگر اور دِل وغیرہ بھی جسم کے اعضاء ہیں۔ ایک کی پیوندکاری میں لعنت کی وجہ صرف یہ بنتی ہے کہ دوسرے کے عضو کا

استعمال ہے ورنہ اگر زینت اور تحسین اِس کی وجہ ہوتی تو مصنوعی بال یا جانوروں کے بال لگانے میں بھی لعنت ہوتی جو کہ نہیں ہے۔

ان باتوں کی وجہ سے یہ حضرات کہتے ہیں کہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری بالکل ناجائز ہے اور اضطرار کی حالت میں بھی جائز نہیں۔

جواز کا قول کرنے والوں کے اقوال اور دلائل اور اُن کے جواب

1۔ زندہ و مردہ کے اعضاء لینے کا جواز :

جو لوگ زندہ مردہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے قائل ہیں اُن کے پاس اِس کے جواز کی صرف ایک دلیل ہے یعنی مصالح مرسلہ میں سے ہونا یعنی ایسے کام جن میں جان یا مال یا دین یا عقل یا نسل کی حفاظت کا فائدہ ہو اور خاص اُن کاموں کے خلاف کوئی شرعی نص موجود نہ ہو، وہ جائز ہوتے ہیں۔ موضوع سے مناسبت رکھنے والی جو چند مثالیں یہ لوگ پیش کرتے ہیں، وہ یہ ہیں :

(i) جنگ میں اگر کافر مسلمان قیدیوں کو اپنی ڈھال کے طور پر اپنے سامنے کرلیں تاکہ مسلمان فوج اپنے مسلمانوں کے مرنے کے خوف سے حملہ کرنے سے باز رہیں اور خود کافر آزادی سے مسلمانوں پر حملہ کر کے اُن پر غلبہ حاصل کرلیں۔ اِس صورت میں مسلمان فوج یہ دیکھ کر کہ کافر غلبہ پالیں گے تو تمام مسلمانوں کی جان و مال اور دین کا نقصان ہوگا اور تقریباً یقینی ہے کہ فتح کے بعد کافر اِن مسلمان قیدیوں کو بھی قتل کردیں گے تو ایسی صورتحال میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے مفاد کی خاطر وہ اِن تھوڑے سے مسلمان قیدیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے کافروں پر حملہ جاری رکھے اور بیچ میں مسلمان قیدیوں کے قتل ہونے کی پروا نہ کرے۔

(ii) جنین کی اتنی عمر ہو چکی ہے کہ وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ اُس وقت اگر حاملہ مرجائے اور جنین زندہ ہو تو حاملہ کے پیٹ کو چاک کر کے جنین کو نکال لیں گے۔

(iii) ایک شخص دوسرے کی سونے کی ڈلی یا قیمتی ہیرا نگل گیا۔ اگر اُس کے ترکہ میں اتنا مال نہیں ہے

تو میت کے پیٹ کو چاک کر کے وہ قیمتی چیز نکال کر مالک کے سپرد کریں گے۔

اِن حضرات کا کہنا ہے کہ یہ تینوں کام ایسے ہیں کہ جن میں جان اور مال کی حفاظت ہے اور خاص اِن کاموں کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں کوئی شرعی نص موجود نہیں ہے۔

مذکورہ بالا دلیل کا جواب :

ذرا غور کیا جائے تو یہ دلیل ہی درست نہیں۔ اِس کا بیان یہ ہے :

موجودہ دور کے نامور عرب عالم علامہ وہبہ زحیلی مصالح مرسلہ کی یہ تعریف لکھتے ہیں :

هی الاوصاف التی تلا ئم تصرفات الشارع ومقاصده ولکن لم یشهد لها دلیل معین من الشرع بالاعتبار او الالغاء ویحصل من ربط الحکم بها جلب مصلحة اودفع مفسدة عن الناس (اصول الفقه الاسلامی ص۷۵۷)

''مصالح مرسلہ وہ اوصاف ہیں جو شارع کے تصرفات اور (دین، نفس، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کے) مقاصد سے مناسبت رکھتے ہیں لیکن اِن کے اعتبار کرنے یا نہ کرنے کی کوئی متعین شرعی دلیل موجود نہ ہو اور اُن کے ساتھ حکم کو وابستہ کرنے سے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے اور وہ نقصان سے بچتے ہیں''۔

پھر مصالح مرسلہ پر عمل کرنے کی تین شرائط ہیں جو خود علامہ وہبہ زحیلی کے الفاظ میں یہ ہیں :

(i) ان تکون المصلحة ملا ئمة لمقاصد الشرع بحیث لا تنا فی اصلا من اصوله ولا تعارض نصا او دلیلا من ادلته القطعیة بل تکون متفقة مع المصالح التی قصد الشارع الی تحصیلها وبان تکون من جنسها ولیس غریبة عنها وان لم یشهد لها دلیل خاص بها.

'' وہ مصلحت مقاصد شرع کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو اِس طرح سے کہ نہ تو شریعت کے کسی

اصول کے منافی ہو اور نہ کسی شرعی نص یا کسی قطعی شرعی دلیل کے معارض ہو بلکہ شارع نے جن مصلحتوں کی تحصیل کا قصد کیا ہے اُن کے موافق ہو اور اُن کے ہم جنس ہو اور اُن کے غیر مناسب نہ ہو اگرچہ اُس کے مصلحت کے حق میں کوئی مخصوص دلیل نہ ہو"۔

(ii) ان تكون معقولة فى ذاتها جرت على الاوصاف المناسبة المعقولة التى يتقبلها العاقل بحيث يكون مقطوعا ترتب المصلحة على الحكم وليس مظنونا ولا متوهما .

"وہ مصلحت فی ذاتہ عقل میں آنے والی ہو اور اُن مناسب اوصاف میں سے ہو جن کو کسی عاقل کی عقل قبول کرتی ہو اور حکم پر مصلحت کا ترتب قطعی و یقینی ہو، نہ ظنی ہو اور نہ وہمی ہو"۔

(iii) ان تكون المصلحة التى يوضع الحكم بسببها عامة للناس وليس لمصلحة فردية اوطائفة معينة لان احكام الشرع موضوعة لتطبيق على الناس جميعا فمثلا قتل مسلم تترس به الكفار فى قلعة لا يصح تجويزه متى امكن حصار هم ولا يخشى منهم التسلط على بلاد المسلمين .

"وہ مصلحت جس کی وجہ سے حکم لگایا گیا ہے لوگوں کے لیے عام ہونی چاہیے کسی ایک خاص فرد یا ایک جماعت کے ساتھ مخصوص نہ ہو کیونکہ شرعی احکام تو سب لوگوں کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا کافر فوج اگر قلعہ میں ہو اور کسی مسلمان قیدی کو اپنی ڈھال بنالے تو جب تک کافروں کا محاصرہ کرنا ممکن ہو اور اُن کا مسلمان علاقوں پر تسلط حاصل کرنے کا خوف نہ ہو، مسلمان فوج کے لیے اِس مسلمان قیدی کو قتل کرنا جائز نہیں"۔

ان تینوں شرطوں کو علامہ وہبہ زحیلی نے مختصر طور پر یوں لکھا :

ان تكون مصلحة حقيقية لا وهمية بحيث يجلب بها نفع او يدفع بها ضرر والا يعارض العمل بهذه المصلحة حكما او مبدء ا ثبت بالنص او

الاجماع و ان تکون مصلحة عامة بحیث تجلب النفع لا کبر عدد من الناس (اصول الفقه الاسلامی ص ۸۰۰)

'' وہ مصلحت حقیقی وواقعی ہو، موہوم نہ ہو، اس طرح سے کہ اُس سے فائدہ حاصل ہوتا ہو یا نقصان کو دُور کیا جاتا ہو اور اُس مصلحت پر عمل نص یا اجماع سے ثابت ہونے والے کسی حکم یا مبداء کے مخالف نہ ہو اور مصلحت عام ہو کہ اس سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو نفع پہنچتا ہو''۔

ان تینوں شرائط کو سامنے رکھا جائے تو جواز کے قائلین کی دی ہوئی مذکورہ بالا کوئی بھی مثال درست نہیں بنتی کیونکہ اِن میں سے ہر ایک مثال مصالح مرسلہ کے موثر ہونے کی تین شرائط میں سے پہلی ہی شرط کے منافی ہے۔ پہلی شرط میں یہ بات شامل ہے کہ مصلحت شریعت کے کسی اصول کے منافی نہ ہو اور شریعت کی کسی نص اور دلیلِ قطعی کے مخالف نہ ہو۔ جبکہ ذکر کردہ ہر مثال شریعت کے اِس اصول کے منافی ہے کہ مسلمان خواہ زندہ ہو یا مردہ اُس کی حفاظت اور اُس کا احترام واجب ہے اور یہ اصول چونکہ نصوص سے ثابت ہے اِس لیے مذکورہ مصالح شرعی نص کے مخالف بھی ہیں۔

سعودیہ کے کبار علماء کے ایک بورڈ نے جو خود انسانی اعضاء کی پیوندکاری کو مصلحت مرسلہ شمار کر کے اس کو جائز کہتا ہے، یہ لکھا ہے :

ثبتت عصمة دم المسلم بالکتاب والسنة واجماع الامة فلا یحل لاحد ان یسفك دم مسلم اویجنی علی بشرته او عضو من اعضائه الا اذا ارتکب من الجرائم یبیح ذالك منه او یوجبه شرعا کان یقتل مومنا عمدا عدوانا او یزنی وهو محصن او یترك دینه ویفارق الجماعة او یحارب اللّٰه ورسوله ویسعی فی الارض فسادا و نحو ذلك مما اوجبت الشریعة فیه قصاصا او حدا او تعزیرا. (حکم تشریع جثة المسلم ۹)

'' مسلمان کے خون کی عصمت قرآن سنت اور اجماع اُمت سے ثابت ہے لہٰذا کسی کے

لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کا خون بہائے یا اُس کی کھال یا اُس کے کسی عضو پر کوئی جنایت کرے مگر جبکہ وہ کسی ایسے جرم کا مرتکب ہو جو از روئے شرع ایسی جنایت کو جائز یا واجب کردے مثلاً کسی مسلمان کو جان بوجھ کر سرکشی سے قتل کرے یا محصن ہونے کی حالت میں زنا کرے یا اپنے دین کو ترک کردے اور مسلمانوں کی جماعت سے جدائی اختیار کرلے یا اللہ اور اُس کے رسول سے لڑائی اختیار کرے اور زمین میں فساد کرے وغیرہ، جس میں شریعت قصاص یا حد یا تعزیر کو واجب کرتی ہے''۔

کما وردت نصوص کثیرة فی تکریمه ورعایة حرمته بعد موته ففی سنن ابی داؤد وغیره ان النبی ﷺ قال کسر عظم المیت ککسره حیا.

''جیسا کہ آدمی کی موت کے بعد اُس کی تکریم اور اُس کے احترام کی رعایت کے بارے میں بہت سی نصوص وارد ہوئی ہیں مثلاً سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسے ہے جیسے کسی زندہ کی ہڈی کو توڑنا''۔

غرض مذکورہ بالا مثالوں میں چاہے کتنا ہی فائدہ ہو لیکن بہرحال وہ مصالح مرسلہ کی مثالیں نہیں بن سکتیں کیونکہ اُن میں یا تو کسی مسلمان کو قتل کیا جارہا ہے یا میت کا پیٹ چاک کیا جارہا ہے جو دین کے اصول اور دین کی نصوص کے خلاف ہے۔

مصالح مرسلہ کی وہ مثالیں جو شرائط پر پوری اُترتی ہیں وہ چند ایک یہ ہیں :

(i) جب بیت المال خالی ہو اور فوجی ضروریات کے لیے رقم نہ ہو تو اُن ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مالداروں پر ٹیکس لگانا جائز ہے کیونکہ اگر وہ ضروریات پوری نہ ہوں گی تو فوج کے سپاہی وغیرہ اپنی کمائی میں لگ جائیں گے اور فوجی ڈسپلن میں نہ رہیں گے، تو باہر سے کافر چڑھ دوڑیں گے اور اندر سے باغی اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اِس طرح سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہوگا جس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ مالداروں پر اِن ضروریات کا بوجھ ڈال دیا جائے۔

(ii) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک مصحف پر لوگوں کو جمع کرنا۔

(iii) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مفتوحہ اراضی کو اُن کے سابقہ مالکان کی ملکیت میں برقرار رکھنا اور اُن سے خراج وصول کرنا تاکہ خراج سے آئندہ آنے والی نسلیں بھی فائدہ اُٹھائیں۔

تنبیہ : اُوپر ذکر کی ہوئی مثالیں یعنی مسلمان فوج کا مسلمان قیدیوں کو قتل کرنا اور میت کا پیٹ چاک کرنا اور اُن کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ اِن میں ذکر کردہ حکم تو بہر حال متفقہ ہیں پھر اِن کو مصالح مرسلہ کی مثال نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ مسائل واحکام تو واقعی متفقہ ہیں لیکن اِن کی وجہ مصالح مرسلہ ہونا نہیں بلکہ کچھ اور ضابطے ہیں اور اُن کو مصالح مرسلہ نہ ماننے سے یہ فرق پڑتا ہے کہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری میں بھی چونکہ کسی زندہ یا مردہ انسان کے اعضاء نکالے جاتے ہیں جس میں اُس انسان کے اکرام واحترام کی مخالفت ہے لہٰذا انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا مسئلہ بھی مرسلہ کے تحت نہیں آتا اور جائز نہیں بنتا۔ البتہ مذکورہ بالا مثالوں کے جواز کی وجوہات اور ہیں، جو یہ ہیں :

کافر فوج جب مسلمان قیدیوں کو اپنی ڈھال بنالے تو چونکہ کافروں سے جہاد کرنا اور لڑائی کرنا فرض ہے جو اُسی وقت ہوسکتا ہے جب مسلمان قیدیوں کو نظر انداز کردیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمان فوج خاص مسلمان قیدیوں کو قتل کرنے کا ارادہ نہ کرے بلکہ کافروں کو قتل کرنے کی نیت سے حملہ کرے اگرچہ اِس کی لپیٹ میں مسلمان قیدی بھی آجائیں۔ غرض اس کو اگر مصالح مرسلہ کی مثال بنائیں تو حقیقت یہ ہوگی کہ بہت سے مسلمانوں کی خاطر چند ایک مسلمانوں کو قصداً قتل کرنا جائز ہے جبکہ دوسری وجہ سے اِس کی حقیقت یہ ہوگی کہ جہاد کو جاری رکھنا فرض ہے جو مذکورہ حالت میں اُسی وقت ہوسکتا ہے جب مسلمان کافروں پر حملہ کا قصد رکھیں اگرچہ مسلمان قیدی اس کی لپیٹ میں آکر ہلاک ہوجائیں، مسلمان قیدیوں کو قتل کرنے کا قصد نہ ہو۔

جنین کی خاطر حاملہ میت کا پیٹ چاک کرنا اور دوسرے کے مال کی خاطر میت کے پیٹ کو چاک کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میت کے ساتھ دوسرے کا حق وابستہ ہوا ہے اور حقدار کو اُس کا حق دلانا ایک شرعی ضابطہ ہے۔

اِن مسائل کی جو توجیہ ہم نے ذکر کی ہے اِس کو سامنے رکھیں تو انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا مسئلہ اِن مسائل سے بہت مختلف ہے۔ متاثر اور مریض شخص کا نہ تو کسی تندرست یا میت کے اعضاء پر کوئی حق ہوتا ہے اور نہ ہی کسی فرض کی ادائیگی انسانی اعضاء کے لینے پر موقوف ہے۔

سابقہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ دلائل کے اعتبار سے انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا عدم جواز ہی راجح ہے۔

2۔ صرف میت کے اعضاء لینے کا جواز :

دلیل :

وان كان يباح الدم كالحربى والمرتد فذكرالقاضى ان للمضطر قتله و اكله لان قتله مباح وهكذا قال اصحاب الشافعى لانه لا حرمة له فهو بمنزلة السباع وان وجده ميتا ابيح اكله لان اكله مباح بعد قتله فكذلك بعد موته .

وان وجد معصوما ميتا لم يبح اكله فى قول اصحابنا . وقال الشافعى و بعض الحنفية يباح وهو اولى لان حرمة الحى اعظم . (المغنى ص۸۰ ج۱۱)

''مضطر یعنی جو حالتِ اضطرار میں ہو وہ اگر کسی حربی یا مرتد کو پائے جس کو قتل کرنا جائز ہوتا ہے تو قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ مضطر کو اجازت ہے کہ وہ اُس کو قتل کر دے اور اُس کا گوشت کھالے کیونکہ اُس کا قتل پہلے سے جائز ہے۔ یہی قول امام شافعیؒ کے دیگر اصحاب کا ہے، وجہ یہ ہے کہ حربی یا مرتد کو حرمت حاصل نہیں اور وہ شریعت کی نظر میں چوپائے کی مانند ہے۔ اور اگر مضطر حربی یا مرتد کے مردہ جسم کو پائے تو اُس کا گوشت کھا سکتا ہے کیونکہ وہ تو اُس کو قتل کر کے اُس کو کھا سکتا تھا تو اِسی طرح اُس کی موت کے بعد اُس کو کھا سکتا ہے۔

اور اگر مضطر کسی ایسے شخص کی لاش پائے جس کو قتل کرنا حرام ہو تو ہمارے اصحاب کے نزدیک مضطر کیلیے اِس کا گوشت کھانا جائز نہیں جبکہ امام شافعیؒ اور بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ اِسکا گوشت کھانا بھی جائز ہے اور یہی قول اولیٰ ہے کیونکہ زندہ مضطر کا احترام مردہ سے زیادہ ہے''۔

جو شخص بھوک سے مضطر ہو اور مرنے کے قریب ہو جان بچانے کے لیے جب اُس کو مردہ آدمی کا گوشت کھانے کی اجازت ہے تو گردے یا دل یا جگر کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے جو مرنے کے قریب ہو اُس کے لیے مردہ آدمی کے اعضاء کا استعمال بھی جائز ہوگا۔

زندہ آدمی کے اعضاء لینے کی اجازت نہیں :

وان لم یجد الا آدمیا محقون الدم لم یبح له قتله بالاجماع ولا اتلاف عضومنه مسلما کان او کافرا لانه مثلة . (المغنی ص ۸۰ ج۱۱)

''اور اگر مضطر کسی ایسے زندہ شخص کو پائے مثلاً مسلمان کو یا ذمی کو جس کی جان کو احترام حاصل ہے تو مضطر بالاتفاق اُس کو قتل نہیں کرسکتا اور اُس کے کسی عضو کو تلف بھی نہیں کرسکتا کیونکہ یہ مثلہ ہے''۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حالتِ اضطرار میں بھی اِن حضرات کے نزدیک کسی زندہ کا عضو لینا جائز نہیں جبکہ دوسرے فقہاء نہ زندہ نہ مردہ کسی کا بھی عضو لینے کو جائز نہیں کہتے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ کسی زندہ کا عضو لینے کی حرمت پر تمام فقہاء کا اتفاق واجماع ہے۔

اگرچہ جواز اور عدم جواز دونوں کا قول مضطر کے بارے میں ہے لیکن اس قول کو لینے والے فقہاء کے مذکورہ بالا مسائل کو مندرجہ ذیل وجوہ سے ترجیح دیتے ہیں :

(i) انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا خاصا رواج ہوگیا ہے جس سے تحقق میں عرب وعجم کے بعض علماء کے فتوؤں کو دخل ہے اگرچہ وہ بذاتِ خود حجت نہیں اور اُن کے دلائل بھی بے وزن ہیں۔

(ii) سائنس اور ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ کسی میت کے اعضاء بڑی شائستگی کے ساتھ نکالے جاتے ہیں اور ضرورتمند کو لگائے جاتے ہیں۔ اہانت اور بے اکرامی اور ایذاء کا تصور نہیں ہوتا۔

اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

''یہ شبہہ کہ انسان کے اجزاء کا استعمال ناجائز ہے اِس لیے وارد نہ ہونا چاہیے کہ استعمال کی جو صورت کہ مستلزم اہانت ہو وہ ناجائز ہے۔ اور جس میں اہانت نہ ہو تو بضرورت وہ استعمال بھی ناجائز نہیں''۔ (کفایت المفتی ص ۱۳۱ ج ۹)

(iii) طب کی ترقی کی وجہ سے اب ضرورت بھی زیادہ ہوگئی ہے۔

مذکورہ بالا قول پر ہونے والے چند اعتراضات اور اُن کا جواب :

مذکورہ بالا عبارتوں میں حالتِ اضطرار میں مردہ آدمی کا گوشت کھانے کی اجازت دی گئی ہے، علاج کے طور پر انسانی اعضاء کے استعمال کی نہیں۔ اس لیے بعض حضرات نے اس پر چند اعتراض کیے ہیں۔ ذیل میں ہم اُن اعتراضات کو بھی اور اُن کے جواب کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

1۔ جان بچانے کے لیے حرام تک کھانا واجب ہے جبکہ علاج معالجہ بذاتِ خود واجب نہیں ہے بلکہ محض مستحب و مسنون ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ علاج کرنا واجب نہیں ہے لیکن علاج کرنا ہو تو حلال علاج نہ ہونے کی صورت میں حرام کے استعمال کی اجازت ہے۔

2۔ ممکن ہے کہ جن فقہاء نے انسانی میت کے گوشت کو کھانے کی اجازت دی ہے اُس کی وجہ سے اُن کے نزدیک اضطرار اور کھانے کے وجوب کا مجموعہ ہو۔ اِس صورت میں اِس پر علاج معالجہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ انسانی میت کا گوشت بھی عام حالت میں حرام ہے اور اس کے مباح و حلال ہونے کی علت صرف اضطرار ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ذکر ہے **الا ما اضطررتم الیہ** (مگر جبکہ تم اس کی

طرف لاچار ہو جاؤ)۔علاوہ ازیں وجوب تو خود حکم ہے وہ علت یا جزو علت نہیں بن سکتا۔لہٰذا اضطرار کی حالت میں کھانے کی خاطر ہو یا علاج کرانے کی خاطر ہو، دونوں میں حرام مباح ہو جاتا ہے، البتہ کھانے میں وجوب ہونے کی وجہ سے اگر نہ کھائے گا تو گناہ گار ہوگا اور علاج میں استحباب ہونے کی وجہ سے اگر حرام کا استعمال نہ کرے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔

3۔ حرام کھانا تو موت کے دفعیہ کا قطعی و یقینی سبب ہے جبکہ یہ معالجات ظنی سبب ہیں یقینی نہیں۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ تداوی بالحرام یعنی حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا مضطر اور غیر مضطر دونوں کے لیے جائز ہے۔

4۔ اعضاء کی پیوند کاری تداوی بالحرام میں شامل نہیں کیونکہ پچھلے فقہاء نے تداوی بالحرام میں انسانی اعضاء کے استعمال کو شمار نہیں کیا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ پچھلے فقہاء کے دور میں موجودہ دور کی پیوند کاری کا کوئی تصور موجود نہ تھا اور کسی شے کے ذکر نہ ہونے کو اس شے کا معدوم ہونا لازم نہیں ہوتا۔

5۔ دل یا گردوں کے ناکارہ ہونے کی صورت میں خود اضطرار ثابت نہیں ہو جاتا بلکہ ایسے مریض بہت عرصہ تک زندہ رہتے ہیں۔

اِس کا جواب یہ کہ مثلاً جب گردے اور دل مکمل طور پر ناکارہ ہو جائیں اور مریض کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ تو مشینوں کی کارفرمائی ہے کہ مریض کم و بیش مدت گزار لیتا ہے، غرض اپنی حالت کے اعتبار سے وہ مضطر ہی ہوتا ہے۔مشینوں پر سہارا کرنا خود ایک پُر مشقت کام ہے جو کسی وقت بھی غیر مفید ہو سکتا ہے۔

یہ قول بھی قابلِ اختیار نہیں :

اگرچہ فقہاء کے اختلاف کے ہوتے ہوئے اضطرار کی حالت میں محدود پیوند کاری کے اِس قول پر عمل کرنے کی بظاہر گنجائش نظر آتی ہے لیکن کچھ اور پہلو ایسے بھی ہیں جو اِس قول پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ عدمِ جواز کے دلائل جو شروع میں ذکر ہوئے۔

2۔ بھوک کا اضطرار اول تو ویسے ہی نادر الوقع ہے پھر ایسی صورت کہ اضطرار کو دُور کرنے کے لیے انسان کے مردہ جسم کے علاوہ کوئی بھی حلال یا حرام شے نہ ملے انتہائی نادر ہے جبکہ اعضاء کی پیوندکاری کی ضرورت کثیر الوقوع اور دائمی ہے۔ایک انتہائی نادر بات کو بنیاد بنا کر بہت سے مردہ انسانون کے تمام اعضائے رئیسہ کے نکالنے کو جائز کہا جائے، یہ بات غیر معقول ہے۔

3۔ ضرورت مندوں کی تعداد حاصل شدہ اعضاء سے زیادہ ہونے پر اِس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ جو لوگ اپنے اعضاء کی وصیت نہ کریں گے یا جو لوگ اپنی میت کے اعضاء دینے پر راضی نہ ہوں گے تو دوسرے لوگ اُن کے طرزِ عمل کو برا سمجھیں گے حالانکہ ایک ایسے عمل نہ کرنے کو برا سمجھنا جو زیادہ سے زیادہ مستحب ہو، بدعت اور ناجائز ہے۔

4۔ دماغی موت اور حقیقی موت کے درمیان فرق ہوتا ہے۔حقیقی موت اُس وقت کہلاتی ہے جب دل اپنی حرکت چھوڑ بیٹھے۔ پیوندکاری کے لیے اعضاء عام طور پر حقیقی موت سے پہلے محض دماغی موت طاری ہونے پر نکالے جاتے ہیں۔محدود جواز کے قول میں قوی اندیشہ ہے کہ اعضاء نکالنے والے جلد بازی کا مظاہرہ کریں اور دماغی موت پر ہی اعضاء نکالنے کی کوشش کریں حالانکہ دماغی موت کا فیصلہ کرنے میں بھی غلطی کا امکان ہوتا ہے۔

تنبیہ : اس مضمون سے اور انتقال خون کے مسئلہ سے ایک اُصولی بات یہ سامنے آتی ہے کہ اگر مریض کی جان کا خطرہ ہو یا سخت مجبوری ہو اور معطی کا کوئی جزو لینے سے اُس کی جسمانی ہیئت بدلتی اور بگڑتی نہ ہو تو اِس حد تک پیوندکاری کی گنجائش ہے مثلاً Needle Biopsy کے ذریعہ معطی کے جگر کے کچھ خلیے لے کر مریض کے جسم میں داخل کر دیے جائیں جن میں پھر تقسیم در تقسیم کے عمل سے اضافہ ہو جائے۔اسی طرح Needle Biopsy کے ذریعہ ہڈی کا گودا (Bone Marrow) حاصل کر کے مریض کے جسم میں داخل کرنا بھی جائز ہے۔

۞۞۞

قسط : ۲

اولاد کی اہمیت اور اُس کے فضائل

﴿ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ﴾

جو اولاد مر جائے اُس کا مر جانا ہی بہتر تھا :

حضرت خضر اور موسیٰ علیہم السلام کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو قتل کر دیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہ ایک بے گناہ بچہ کو مار ڈالا؟ اور خضر علیہ السلام نے پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے کی یہ شرط کر لی تھی کہ میرے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا اس لیے انہوں نے فرمایا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔

اِس کے بعد اس واقعہ کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ اس لڑکے کے والدین مومن ہیں اور یہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوتا۔ اور اس کی محبت میں اس کے ماں باپ بھی کافر ہو جاتے، اس لیے ارادہ الٰہی یہ ہوا کہ اس کا پہلے ہی خاتمہ کر دیا جائے اور اِس کے بدلہ نیک اولاد اُن کو ملے۔

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جو بچے بچپن میں مر جاتے ہیں اُن کا مر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اس واسطے جو دیندار ہیں اُن کو اولاد کے مر جانے کا غم تو ہوتا ہے لیکن پریشان نہیں ہوتے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کو حکیم سمجھے گا وہ کسی واقعہ سے پریشان نہ ہوگا۔ ہاں جس کی اِس پر نظر نہیں اُس پر اگر کوئی واقعہ ہوتا ہے مثلاً کوئی بچہ مر جاتا ہے تو اُس کو بڑا اُتار چڑھاؤ ہوتا ہے کہ اگر زندہ رہتا تو ایسا ہوتا، دل کے اندر سے شعلے اُٹھتے ہیں۔ ارمان ہوتے ہیں حسرتیں ہوتی ہیں کہ ہائے ایسی لیاقت کا تھا ایسا تھا ویسا تھا۔ صاحبو! تم کو کیا خبر کہ وہ کیسا تھا غنیمت سمجھو اِسی میں مصلحت تھی ممکن ہے کہ بڑا ہو کر کافر ہوتا اور تم کو بھی کافر بنا دیتا۔ (الدنیا ملحقہ دُنیا و آخرت ص ۹۹)

چھوٹے بچوں کی موت ہو جانے کی حکمتیں :

چھوٹے بچوں کی موت میں ایک بڑی حکمت ہے اگر وہ پیش نظر رہے تو چھوٹے بچوں کے مرنے پر غم کے ساتھ خوشی کا بھی ایک پہلو سامنے ہوگا۔

لوگوں کو اولاد کے بڑے ہونے کی خوشی محض اس لیے ہے کہ اُن کا نفس یوں ہی چاہتا ہے ورنہ اُن کو کیا خبر

کہ بڑے ہو کر یہ کیسا ہوگا۔ والدین کی راحت کا ذریعہ ہوگا یا وبالِ جان ہوگا۔ اور پھر اگر وہ بڑا ہو کر مرے تو یہ خبر نہیں کہ وہ والدین کو آخرت میں کچھ نفع دے گا یا خود ہی سہارے کا محتاج ہوگا۔ اور بچپن میں مرنے والے بچے بہت زیادہ کارآمد ہیں۔ اِن میں یہ احتمال ہی نہیں کہ وہ آخرت میں نامعلوم کس حال میں ہوں گے۔ کیونکہ غیر مکلّف (بچے) یقیناً مغفور لہٗ (بخشے بخشائے) ہیں اور وہ آخرت میں والدین کے بہت کام آئیں گے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچے جنت میں جانے سے پہلے آخرت میں بھی بچے ہی رہیں گے اور اُن کی عادتیں بھی بچوں کی ہوں گی (یعنی) وہی ضد کرنا اور اپنی بات پر اَڑ جانا پیچھے پڑ جانا۔ لیکن یہ حالت جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوگی پھر جنت میں پہنچ کر باپ بیٹے سب برابر ایک قد کے ہو جائیں گے۔

حدیث میں آیا ہے کہ یہ بچے اڑ جائیں گے اور (اللہ تعالیٰ سے) کہیں گے کہ ہم جنت میں نہ جائیں گے جب تک ہمارے ماں باپ کو ہمارے حوالہ نہ کیا جائے۔ ہم تو اُن کو اپنے ساتھ لے کر جنت میں جائیں گے تو حق تعالیٰ فرمائیں گے۔ ایھاالطفل المراغم ربہٗ ادخل ابویك ..... کہ اے ضدی بچے اپنے خدا سے ضد کرنے والے، جا اپنے والدین کو بھی جنت میں لے جا۔ اُس وقت یہ خوش خوش جنت میں اپنے ماں باپ کے ساتھ جائیں گے۔ تو یہ بے گناہ بچے اللہ سے خود ہی بخشش کے لیے ضد کریں گے۔

اور اگر بچہ بڑا ہو کر مر جائے تو حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ یاد کر کے دل کو یہ سمجھا لو کہ نہ معلوم اِس میں کیا حکمت ہوگی شاید اگر یہ اور زندہ رہتا تو دین کو بگاڑ لیتا یا دُنیا میں وبالِ جان ہوتا۔

اس کے بعد احادیث میں مصائب وحوادث کی جو تفصیلی حکمتیں مذکور ہیں نیز اُن پر ثواب بتلایا گیا، اُن کو پیشِ نظر رکھیں، ان شاء اللہ غم بہت کم ہو جائے گا۔

بس حاصل یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دیں اُس کے لیے یہی اچھا ہے اور جس کو نہ دیں اُس کے لیے یہی اچھا ہے۔ اگر کسی کے بالکل ہی اولاد نہ ہو وہ یہ سمجھے کہ میرے لیے اِسی میں حکمت ہے، نہ معلوم اولاد ہوتی تو کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوتا۔

اور جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے کر چھین لیں۔ اُس کے لیے اِسی میں مصلحت ہے۔ للہ ما اخذ و ما اعطیٰ کا مطلب یہی ہے جو حدیث میں مصیبتوں کی تسلی کے لیے آیا ہے اور یہی مطلب انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کا ہے۔ اور اس میں (مذکورہ تدبیر و) اعتقاد کو صبر کے پیدا کرنے میں بڑا دخل ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کے

مضمون کو صبر حاصل کرنے میں بہت بڑا دخل ہے۔ یہی وہ مضمون ہے جس کی وجہ سے حضرت اُم سلیم صحابیہ نے کامل صبر فرمایا اور اپنے شوہر کو بھی صابر بنایا۔ (الاجر النبیل ملحقہ فضائل صبر وشکر ص ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷)

چھوٹی اولاد کے مرجانے کے فضائل :

حدیث میں آتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے تین بچے مرگئے ہوں وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے آڑ بن جائیں گے۔ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! کسی کے دو بچے مرے ہوں؟ فرمایا وہ بھی۔ پھر کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! جس کا ایک ہی بچہ مرا ہو؟ فرمایا وہ بھی۔ پھر کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! جس کا ایک بھی بچہ نہ مرا ہو تو آپ نے فرمایا انافرط لا متی ولن یصابوا بمثل کہ میں اپنی اُمت کا آگے جاکر سامان کرنے والا ہوں۔ اور میری موت جیسا حادثہ میری اُمت پر کوئی نہ آئے گا۔ اس لیے ان کے واسطے میری وفات کا صدمہ ہی مغفرت کے لیے کافی ہے یعنی میں آگے جاکر اپنی اُمت کے لیے مغفرت کی کوشش وسفارش کروں گا۔

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جیسے بے اولادوں کے لیے حضور ﷺ کی وفات کافی ہے۔ ایسی ہی اولاد والوں کے لیے بھی کافی تھی۔ پھر اولاد کی شفاعت کی ضرورت کیا تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو زیادہ تسلی کے لیے اِس کی ضرورت تھی۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ تو ادب وخوف کے ساتھ شفاعت فرمائیں گے اور بچہ ضد کے ساتھ شفاعت کرے گا۔ یہ بچے جس طرح یہاں والدین (ماں باپ) سے ضد کرتے ہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ سے بھی ضد اور ناز ونخرے کریں گے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ بچہ جنت کے دروازے پر جاکر کھڑا ہو جائے گا اس سے کہا جائے گا اندر جاؤ۔ کہے گا نہیں جاتے، پوچھیں گے کیوں؟ کہے گا جب تک ہمارے ماں باپ ہمارے ساتھ نہ ہوں گے اُس وقت تک ہم جنت میں نہیں جاسکتے۔ اس سے حق تعالیٰ فرمائیں گے۔ ایھاالطفل الراغم ربہ ادخل ابویك الجنة ۔ اے اپنے پروردگار سے ضد کرنے والے بچے جا اپنے ماں باپ کو بھی جنت میں لے جا۔

دُوسرے عقلاً (شفاعت کرنے والوں کی) تعداد بڑھنے سے زیادہ قوت (وتسلی) ہوتی ہے اگرچہ حضور ﷺ کو اِس کی ضرورت نہیں۔ آپ تنہا ہی کافی ہیں مگر طبعًا (فطری طور پر) عدد بڑھنے سے تسلی زیادہ ہوتی ہے۔ (الجبر بالصبر ملحقہ فضائل صبر وشکر ص ۳۳۱)

ایک بزرگ کی حکایت :

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے جوانی میں نکاح نہ کیا تھا اور بے نکاح رہنے ہی کی نیت کی تھی۔ ہر چند مریدوں نے عرض بھی کیا (کہ شادی کر لیجیے) مگر آپ نے منظور نہیں کیا۔ ایک دفعہ دوپہر کو سو کر اُٹھے تو اُسی وقت تقاضا کیا کہ جلدی میرا نکاح کرو۔ مریدوں نے فوراً اِس کی تکمیل کی۔ ایک مرید نے اپنی لڑکی سے نکاح کر دیا۔ آپ نکاح کے حقوق ادا کرتے رہے یہاں تک کہ ایک لڑکا بھی پیدا ہوا اور کچھ دنوں کے بعد مر گیا، تو آپ نے فرمایا الحمدللہ مراد حاصل ہوگئی اور بیوی سے کہا کہ اب مجھے تیری ضرورت نہیں۔ میرا جو مقصود تھا پورا ہو گیا اب اگر تو نکاح کا لطف حاصل کرنا چاہے تو میں طلاق دے کر کسی جوان صالح سے نکاح کر دُوں اور اگر میرے پاس رہنا چاہے تو کھانے پینے کی تیرے واسطے کمی نہیں مگر حقوقِ نکاح کا مطالبہ نہ کرنا، وہ لڑکی بھی نیک تھی اُس نے کہا کہ مجھے تو صرف آپ کی خدمت مقصود ہے اور کچھ مطلوب نہیں۔

خدام کو یہ بات سن کر حیرت ہوئی کہ پہلے تو اِس تقاضے سے نکاح کیا تھا اور اب طلاق دینے کو آمادہ ہو گئے۔ خدام نے (اِن بزرگ سے) اِس کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ میں نے نکاح کا تقاضا کسی نفسانی ضرورت کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اِس کا منشاء (سبب) یہ تھا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میدانِ قیامت برپا ہے اور لوگ پُل صراط سے گزر رہے ہیں جو دوزخ کے اُوپر بچھایا گیا ہے۔ پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ پل صراط سے گزرتے ہوئے اُس کے قدم ڈگمگائے اور قریب تھا کہ جہنم میں جا گرے کہ اچانک ایک بچہ نے آکر اِس کو سنبھالا اور مضبوطی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ کر بجلی کی طرح پل صراط سے پار کر لے گیا۔ میں نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ بچہ کون تھا؟ کہا کہ اِسی شخص کا بیٹا تھا، بچپن میں انتقال کر گیا تھا، آج اِس کا شفارشی ہو گیا۔ خواب سے بیدار ہو کر مجھے فکر ہوئی کہ میرے پاس آخرت کی اور جائیدادیں تو ہیں (یعنی عبادات نماز روزہ وغیرہ) مگر یہ جائیداد نہیں۔ اس لیے میں نے چاہا کہ یہ جائیداد بھی پاس ہونا چاہیے چنانچہ نکاح ہوا اور بچہ پیدا ہو کر مر گیا تو اُن کا مقصود حاصل ہو گیا۔ (الاجر النبیل ملحقہ فضائل صبر وشکر ص ۶۳۴)

ایک حدیث پاک کا مفہوم :

حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی مسلمان کا بچہ مرتا ہے تو ملائکہ اُس کی روح کو لے کر آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے ارشاد فرماتے ہیں۔ کیا تم نے میرے بندہ کے بچہ کو لے لیا؟ وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہاں، پھر

فرماتے ہیں کیا تم نے میرے بندہ کے جگر گوشہ کو لے لیا؟ وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہاں، پھر فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کیا کہا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ اُس نے آپ کی حمد کی (یعنی آپ کا شکر ادا کیا) اور صبر کیا۔ اِس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گواہ رہو، میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا اور اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار کرو اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔

یہ تو چھوٹوں کے مرنے پر وعدہ ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے مرنے پر نعم البدل (یعنی اچھا بدلہ) عطا فرماتے ہیں یعنی مغفرت اور جنت کا محل۔ (الجبر بالصبر ملحقہ فضائل صبر و شکر ص ۳۳۳)

بڑی اولاد کے مرجانے کی فضیلت :

اور بڑوں کے مرجانے پر بھی اسی طرح اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ حدیث میں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں **من اخذت صفية (اى حبيبه) يكن له ثواب الاالجنة او كماقال** . حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جس شخص کے محبوب اور پیارے کو لے لوں جو عام ہے خواہ وہ محبوب چھوٹا ہو یا بڑا (بھائی ہو یا بیوی) تو اُس کا اجر جنت کے سوا کچھ نہیں یعنی وہ جنت میں ضرور پہنچے گا۔ یہاں بھی نعم البدل کا وعدہ ہے اور جنت سے بہتر نعم البدل اور کیا ہوگا۔

اِسی مضمون کو ایک بدوی (دیہاتی) نے بہت خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جب حضرت عباس ؓ کا انتقال ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو بہت صدمہ ہوا تو بدوی نے آ کر اشعار میں اُن کو تسلی دی۔ اشعار تو اہلِ عرب کی گھٹی میں ہیں، بچہ بچہ یہاں تک کہ عورتیں بھی عرب میں شاعر ہوئی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اِس بدوی (دیہاتی شخص) سے بہتر کسی نے تسلی نہیں دی۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

اصبر تكن بك صابرين فانما صبراك رعية بعد صبر الراس

ترجمہ : اے ابن عباس آپ صبر کیجیے تا کہ ہم بھی آپ کی وجہ سے صابر بنیں۔

مطلب یہ ہے کہ آپ مقتداء ہیں، آپ کے افعال کی سب اتباع کرتے ہیں پس ایسے حوادث میں آپ صابر رہیں گے تو ہم بھی مصیبت کے وقت میں صابر رہا کریں گے۔ اگر آپ نے صبر نہ کیا تو عوام بھی صبر نہ کریں گے

سبحان اللہ! کیسے اچھے عنوان سے صبر کی ترغیب دی۔ آگے کہتا ہے :

خیر من العباس اجرك بعدهٗ واللّٰه خیر منك للعباس

آپ کے لیے حضرت عباسؓ کے زندہ رہنے سے وہ اجر بہتر ہے جو ان کے وصال پر آپ کو ملا۔

کیونکہ حضرت عباسؓ اگر زندہ رہتے تو بہت سے بہت آپ کو ملتے۔ اور آپ کے لیے ثواب اُن سے بہتر ہے کیونکہ ثواب کی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ کی رضامندی۔ تو یوں کہیے کہ حضرت عباسؓ کے وصال پر صبر کرنے سے خدا آپ کو ملا اور یقیناً خدا تعالیٰ سب سے بہتر ہے۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے خدا آپ سے بہتر ہے کیونکہ وہ مر کر خدا کے پاس پہنچ گئے اگر نہ مرتے تو دُنیا میں رہتے جس میں رویت الٰہی (یعنی اللہ کا دیدار) نہیں ہو سکتا۔ (الجبر بالصبر ملحقہ فضائل صبر وشکر ص ۳۳۴)

صبر وتسلی کا ایک اور مضمون:

مرنے والے کے متعلق یہ سوچے کہ اگر وہ اس وقت نہ مرتا بلکہ زیادہ دن تک بیمار رہ کر صاحبِ فراش بن کر (یعنی بستر پکڑ کر) مرتا تو شاید مبغوض ہو کر مرتا، کہ شاید رشتہ دار بھی گھبرا جاتے اور اس میں بھی اِس کا نقصان تھا کیونکہ تم اُس کو اِس حالت میں یاد نہ کرتے اور ثواب بھی نہ پہنچاتے۔ کیونکہ ثواب اُسی کو پہنچاتے ہیں جس کے مرنے کا صدمہ ہوتا ہے اور جس کے مرنے پر خوشی ہو کہ اچھا ہوا پاپ کٹا اُس کو بہت کم یاد کیا جاتا ہے۔

اسی طرح تمہارا بھی نفع اِسی میں ہے کہ اپنا عزیز محبوب حالت میں مرے (یعنی تمہاری نگاہ میں محبوب ہو) کیونکہ کہ تم اُس کو یاد کرتے ہو تو وہ بھی تمہارے واسطے دعاء کرتا ہے۔ پس تم کو اس سے نفع پہنچتا ہے اور اس کو تم سے نفع پہنچتا ہے۔ (الجبر بالصبر ملحقہ فضائل صبر وشکر ص ۳۳۵)

حضرت اُم سلیم کا واقعہ اور صبر وتسلی کا مضمون:

حضرت اُمِ سلیم کا قصہ حدیث میں اِس طرح آیا ہے کہ اِن کا ایک بچہ بیمار تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (اِن کے شوہر) باہر سے آ کر اُن کا حال دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک دن اُس کا انتقال ہو گیا اور شام کو حضرت طلحہؓ آئے تو حضرت اُمِ سلیمؓ نے اُن پر ظاہر نہیں کیا کہ بچہ کا انتقال ہو گیا تا کہ سن کر پریشان نہ ہوں اور پریشانی میں کھانا

نہ کھاسکیں۔ بلکہ جب انہوں نے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے؟ تو یہ جواب دیا کہ اب تو سکون ہے (اور واقعی موت سے بڑھ کر کیا سکون ہوگا) یہ سن کر انھوں نے کھانا کھایا اور رات کو بیوی کی طرف میلان بھی ہوا۔ بیوی نے بے انتہا صبر کیا کہ اِس سے بھی انکار نہ کیا۔ جب صبح ہوئی تو کہا کہ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتی ہوں کہ اگر کسی نے ہم کو کوئی چیز بطورِ امانت دی ہو پھر بعد میں وہ امانت کو واپس لینا چاہے تو کیا کرنا چاہیے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہی چاہیے کہ جب مالک اُس کو واپس لینا چاہے تو بڑی خوشی کے ساتھ واپس کر دیا جائے۔ حضرت اُم سلیمؓ نے کہا کہ تو پھر اپنے بچہ پر صبر کرو اور خوشی کے ساتھ اُس کے دفن کرنے کا انتظام کرو کیونکہ خدا نے اپنی امانت لے لی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بڑے جھلائے (یعنی غصہ ہوئے) کہ تم نے رات ہی کو کیوں خبر نہ کی۔ کہا کیا ہوتا، رات کو دفن کرنے میں مصیبت ہوتی اور رات بھر پریشان رہتے کھانا بھی نہ کھاتے، اس لیے رات کو خبر نہ کی۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اُم سلیمؓ کا عمل بہت پسند آیا اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آج رات تم دونوں کو خدا نے مبارک اولاد عطا فرمائی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو بڑے عالم اور بڑے سخی صاحبِ اموال واولاد تھے۔ تو حضرت اُمِ سلیم نے سچ فرمایا کہ یہ اولاد اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس کو وہ جب لینا چاہیں خوش ہو کر خدا کے حوالہ کر دینا چاہیے۔

اس پر شاید یہ سوال ہوگا کہ یہ امانت ہے تو پھر اللہ نے اِس کی اتنی محبت کیوں دی ہے۔ اگر محبت نہ ہوتی تو اتنا غم بھی نہ ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ (اتنی محبت اس وجہ سے دی ہے) تاکہ پرورش ہو سکے کیونکہ بغیر محبت کے اُس کے پیشاب پاخانہ (کو اُٹھانا اور اُس) کی پرورش کرنا مشکل ہے۔ اسی لیے غیر کی اولاد پالنا بہت دشوار ہے اور جب بچہ کی پرورش ہو چکتی ہے تو محبت میں بھی کمی ہونے لگتی ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بیٹے کے ساتھ ویسی محبت نہیں ہوتی جیسی چھوٹے سے ہوتی ہے۔

غرض اولاد کو بھی خدا کی چیز سمجھو کہ اُس کی امانت چند روز ہمارے پاس ہے پھر اُس کے فوت ہونے پر زیادہ افسوس نہ ہوگا کیونکہ پریشانی کی بنیاد تو یہی ہے کہ تم اِن کو اپنی چیز سمجھتے ہو۔ (الاجر النبیل ملحقہ فضائل صبر وشکر ص ۶۳۹، مطبوعہ ملتان)۔

گلدستۂ احادیث حضرت مولانا نعیم الدین صاحب

چالیس دِن نماز پر دو پروانے

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَۃٍ یُدْرِكُ التَّکْبِیْرَۃَ الْاُوْلٰی کُتِبَ لَہٗ بَرَائَتَانِ بَرَائَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَ بَرَاءَ ۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی (رضا اور خوشنودی) کے لیے چالیس دن تک جماعت کے ساتھ اِس طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اُولیٰ کو پائے تو اُس کے لیے دو پروانے لکھ دیے جاتے ہیں، ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا اور دُوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مسلسل چالیس روز تک یہ سعادت حاصل ہو جائے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کی خاطر جماعت کے ساتھ نماز اِس طرح پڑھے کہ اُس کی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو یعنی شروع سے نماز میں شریک ہو اور امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی یہ بھی تکبیر کہے تو اُسے بارگاہِ رب العزت سے دو چیزوں سے نجات کا پروانہ عطا کیا جاتا ہے، ایک تو دوزخ سے بری ہونے کا کہ یہ دوزخ میں جانے سے بچے گا دوسرے نفاق سے بری ہونے کا کہ اللہ تعالیٰ اُسے اِس بات سے محفوظ رکھیں گے کہ اُس سے منافقوں جیسے عمل سرزد ہوں جیسے نماز میں سستی و کاہلی، ریاکاری، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، وغیرہ۔

یاد رہے کہ اس حدیث میں تو چالیس دن تک جماعت میں تکبیر اُولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے پر دو چیزوں سے نجات کے پروانہ ملنے کا ذکر ہے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پروانہ اس خوش نصیب کو فقط چالیس نمازیں پڑھنے پر ہی مل جاتا ہے جو مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں چالیس نمازیں جماعت کے ساتھ مسلسل پڑھ لے، اسی وجہ سے مدینہ طیبہ جانے والے خوش نصیب حضرات وہاں آٹھ دن قیام کرتے ہیں تاکہ ان کی مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ چالیس نمازیں پوری ہو جائیں، وہ دوسری حدیث یہ ہے۔

---

[1] ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۰۲

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَلٰوۃً لَا تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃٌ کُتِبَ لَہٗ بَرَآءَ ۃٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَآءَ ۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرِیٌٔ مِّنَ النِّفَاقِ [۲]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ ایک نماز بھی اس کی مسجد سے فوت نہ ہو تو (ایک تو) اس کے لیے آگ اور عذاب سے براءت لکھی جاتی ہے، (دوسرے) وہ شخص نفاق سے بری ہے۔

انتقالِ پُر ملال

گزشتہ ماہ جناب سلیم چوہدری صاحب وندیم چوہدری صاحب کے ماموں ٹریفک حادثہ میں وفات پاگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بے ضرر انسان تھے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کرائی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔

درسِ حدیث

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب (مہتمم جامعہ مدنیہ جدید) ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ کو بعد از نمازِ عصر شام 5:30 بمقام 537-A فیصل ٹاؤن نزد جناح ہسپتال مستورات کو حدیث شریف کا درس دیتے ہیں۔ خواتین کو شرکت کی عام دعوت ہے۔ (ادارہ)

---

[۲] مسند احمد۔ معجم طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد

طلاق ایک ناخوشگوار ضرورت اور اُس کا شرعی طریقہ

قسط : ۱

﴿ حضرت مولانا مفتی محمد زید مظاہری، انڈیا ﴾

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی سیّد المرسلین وعلی آلہٖ وصحبہ اجمعین اما بعد !

اِس دنیا میں بندوں پر حق تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں جس کا بندے اندازہ نہیں لگا سکتے لیکن بعض نعمتیں ایسی ہیں کہ واقعتہً جن کا کوئی بدل ہی نہیں، فوائد وثمرات اُن کے اِس قدر ہیں کہ دوسری نعمتوں سے وہ فوائد حاصل ہو ہی نہیں سکتے، اُنہی نعمتوں میں ایک نعمت نکاح اور ازدواجی زندگی کی ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اِس کو احسان اور اپنی نشانی کے طور پر ذکر فرمایا ہے :

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً . (سُورہ روم پ۲۱)

''اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو اُن کے پاس آرام ملے، اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی''۔

نکاح ایک عظیم الشان حق تعالیٰ کی نعمت اور عبادت ہے، اس کے ذریعہ مرد وعورت دونوں کو عفت وعزت اور تقوٰی کی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ نکاح صرف دو فرد نہیں بلکہ دو خاندانوں میں اُلفت ومحبت اور اتحاد واتفاق کا ذریعہ ہے۔ نکاح کے واسطہ سے دو خاندانوں میں جوڑ پیدا ہوتا ہے جس کے لیے جناب رسول اللہ ﷺ دُنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ میں دُنیا میں حق کے ساتھ جوڑ پیدا کرنے کے لیے آیا ہوں، توڑ پیدا کرنے کے لیے نہیں۔ اس لیے جن اعمال سے جوڑ پیدا ہوتا ہے آپ کو اُن سے محبت تھی۔ آپ کو نماز سے محبت اسی لیے تھی کہ اِس کے ذریعہ خالق ومخلوق کے درمیان رابطہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے عورت کی محبوبیت کو اِسی لیے فرمایا کہ اِس کے ذریعہ صرف دو گھر نہیں بلکہ دو خاندانوں میں جوڑ پیدا ہوتا ہے، اس کے برخلاف جن چیزوں

سے توڑ پیدا ہوتا ہو، اللہ کے رسول کو ﷺ اُن چیزوں سے نفرت اور ناراضگی ہوتی ہے کیونکہ آپ دُنیا میں توڑ پیدا کرنے کے لیے نہیں آئے تھے۔

شیطان کا کام جوڑ کو ختم کرنا اور توڑ کو پیدا کرنا ہے۔ اس کی برابر کوشش یہی رہتی ہے کہ کب اور کس طرح دو فرد، دو گھر، دو خاندان اور دو جماعتوں میں توڑ اور اختلاف پیدا کرادے، اور اختلاف و توڑ سے وہ جس قدر خوش ہوتا ہے کسی اور چیز سے نہیں ہوتا۔ نکاح سے چونکہ جوڑ پیدا ہوتا ہے اور طلاق کی حقیقت نکاح سے حاصل ہونے والے جوڑ کو ختم کرنا اور اپنے آپ کو بے شمار حق تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم کرنا ہے، اس لیے نکاح کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ " کہ نکاح میری سنت ہے اور طلاق کے متعلق فرمایا " اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ " (مشکوٰۃ شریف) کہ حلال اور جائز اُمور میں سب سے بُری اور نفرت کے قابل چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان جتنا زیادہ طلاق سے خوش ہوتا ہے دوسری چیزوں سے نہیں ہوتا۔ ایک حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے شدید ضرورت اور مجبوری کے بغیر طلاق دینے والے مرد پر لعنت فرمائی ہے، نیز ایسی عورت جو بغیر مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اُس پر بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت فرمائی ہے، نیز فرمایا کہ ایسی عورت پر جنت حرام ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ طلاق کا مطالبہ کرنے والی یا طلاق دینے والے مرد پر جو اتنی سخت وعید اور لعنت آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح تو حق تعالیٰ کی بڑی نعمت اور اللہ کی بڑی قدرت اور نشانی ہے، اللہ نے جو اس کو نعمت عطا فرمائی ہے اُس نعمت کی یہ ناقدری اور ناشکری کرتا ہے اور خدا کی دی ہوئی نعمت کو ٹھکرا کر اپنے کو اِس نعمت سے محروم کرتا ہے۔ اِس کفرانِ نعمت کی سزا میں ایسا شخص مستحق لعنت اور مستحق وعید ہوتا ہے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (فتح القدیر ج ۳ ۔ احیاء العلوم ص ۵۲ ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : " تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یھتز منه عرش الرحمن " یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو، کیونکہ طلاق سے عرشِ رحمٰن ہل جاتا ہے۔ (قرطبی بحوالہ معارف القرآن)

اسی لیے فقہاء اسلام نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ طلاق دینے میں اصل تو حظر یعنی ممانعت ہے۔

شدید ضرورت کے وقت جب کہ زوجین کے مابین ایسی دُوری اور نفرت ہوگئی ہو کہ نباہ کی کوئی صورت نہ ہو اور خطرہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود پر قائم رہ کر ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرسکیں گے، ایسی مجبوری کی صورت میں طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے ورنہ نہیں۔ (فتح القدیر ج ۳)

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ طلاق دینا عورت کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کرنا ہے اور کسی کو تکلیف دینا اُس کی جنایت یا شرعی تکلیف کے بغیر دُرست نہیں۔ اس لیے طلاق دینے کی اُسی وقت اجازت ہوسکتی ہے جب کہ ناحق اور باطل کے ساتھ عورت کو تکلیف دینا نہ ہو۔ (احیاء العلوم ج ۲ ص ۵۷)

طلاق نہ دینے کی ترغیب اور عورتوں کی کج رَوی پر صبر کی تلقین :

طلاق چونکہ باہمی اختلاف وتفریق کا ذریعہ ہے اِس لیے شریعت نے اِس کو ناپسند اور مذموم قرار دیا ہے اور حتی الامکان باہمی نباہ اور حُسنِ معاشرت کی نہ صرف ترغیب بلکہ تاکیدی انداز میں ہدایت فرمائی ہے، ایک مقام پر حق تعالیٰ کا فرمان ہے :

" وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ "

'' اور اِن عورتوں کے ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ گزر بسر کیا کرو''۔

اس آیت میں مردوں کو اپنی عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے کہ ہر حال میں اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، خواہ حسن وجمال والی اور تمہاری من پسند ہوں یا اِس کے خلاف ہوں۔ مال اور فضل وکمال والی ہوں یا غریب اور معمولی گھرانہ کی ہوں۔ جہیز لے کر آئی ہوں یا نہ آئی ہوں۔ اولاد ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، خوش مزاج با اخلاق تمہاری مزاج شناس ہوں یا اِس پہلو سے اُن میں کچھ کمی پائی جاتی ہو لیکن مردوں کو اللہ نے اِن کا بڑا بنایا ہے اور اِسی بڑائی کے اعتبار سے اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ہر حال میں اِن کے ساتھ اچھا برتاؤ اور خیر خواہی کا معاملہ کرو، اور آگے ارشاد فرمایا :

" فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ".

''اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئ کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اُس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے''۔

ہوسکتا ہے کہ شاید تمہارے لیے اسی میں بھلائی ہو دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی کیونکہ بسا اوقات گھر والوں کی طرف سے بدعنوانیوں پر صبر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بڑے بڑے انعامات عطا فرما دیتا ہے۔ نیز علماء نے لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ایسی عورت سے بھی اللہ تم کو ایسی اولاد دیدے جو تمہارے لیے آخرت میں نجات اور جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائے۔ اس لیے عورتیں ہر حال میں قابلِ قدر و قابلِ رحم ہیں، شریعت نے اِن کے ساتھ ہر حال میں حسنِ معاشرت کا حکم دیا ہے کہ طبعی یا عقلی طور پر اِن کی بری عادتوں کی بنا پر تم کو ناگواری ہو اور وہ ناگواری طلاق دینے پر آمادہ کرے تو حق تعالیٰ نے اُصولی طور پر فرمادیا ہے۔

" عَسَىٰٓ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ "

''ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور تمہارے حق میں وہ خیر ہو۔''

نیز رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں کی طرف سے بھرپور سفارش فرمائی ہے، آپ کا ارشاد ہے :

"اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ.... الخ ".

'' عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں ''۔

اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو، اور ہر طرح اُس کے بس میں ہو اُس پر سختی کرنا جواں مردی کے خلاف ہے، نیز فرمایا کہ عورتوں کی کامل اصلاح کی آس نہ لگاؤ کہ وہ سو فیصد تمہاری منشاء و مزاج کے مطابق ہو جائیں گی وہ تو بائیں پسلی سے پیدا ہیں، کج رَوی تو اِن کی فطرت میں داخل ہے، زیادہ پیچھے پڑو گے تو ٹیڑھی پسلی کو سیدھا تو نہ کرسکو گے البتہ توڑ ڈالو گے، اس لیے ایسی کوشش ہی مت کرو۔ الغرض قرآن و حدیث میں مختلف انداز سے عورتوں کے ساتھ ہر حال میں حسنِ معاشرت کی اور اُن کی بدعنوانیوں پر صبر کی سفارش کی گئی ہے۔

البتہ ایسی عورتیں جن کی عادت ہی نافرمانی اور تغلب و عناد اور ایذا رسانی کی بن گئی ہو اور وہ مردوں کی اطاعت اور حکم کی بجا آوری اور حقوق کی ادائیگی سے گریز کرتی ہوں یا اور کسی بدعنوانی کا شکار ہوں، ایسی عورتوں کی اصلاح کی تدبیریں اور مختلف طریقے بتلائے ہیں کہ اس طریقے سے اُن کو اپنا مطیع بنانے کی کوشش کرو اور خلافِ مزاج واقعات پیش آنے سے فوراً علیحدگی یا طلاق کا ارادہ مت کرو۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

" وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ

فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلاً ". (سورۂ نساء پ ۵)

" اور جو عورتیں ایسی ہوں کی تم کو اُن کی بد دماغی سرکشی کا احتمال ہو تو اُن کو زبانی نصیحت کرو اور اُن کو لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور اُن کو مارو "۔

نافرمان عورتوں کی اصلاح وتربیت کی پہلی تدبیر :

اس آیت میں سب سے پہلے افہام وتفہیم اور وعظ ونصیحت کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر عورتیں تمہاری نافرمانی یا حق تعالیٰ کی کسی نافرمانی میں مبتلا ہیں، پہلے اُن کو نرمی سے سمجھاؤ، ایک بار نہیں بار بار سمجھاؤ، کسی تدبیر سے اُن حقوق سے اُن کو آگاہ اور باخبر کرو جو شریعت نے مردوں کے حقوق عورتوں پر عائد کیے ہیں۔ الغرض نصیحت کرنے کی جو تدبیریں مفید ہوں اُن کو اختیار کرنے کا حکم ہے خواہ خود سمجھا کر یا دینی کتابیں لا کر اور سنانے پڑھنے کا موقع دے کر یا دینی مجالس اور اجتماعات میں شرکت کے مواقع فراہم کر کے، تاکہ دینی باتیں سننے اور پڑھنے سے اُن کے اندر اپنے شوہروں کی بات ماننے اور حق تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو اور جن برائیوں میں وہ مبتلا ہیں وعظ نصیحت کی برکت سے وہ از خود اُن کے چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔

اصلاح وتربیت کی دوسری تدبیر :

اصلاح وتربیت کی یہ تدبیر ایک عرصہ تک اختیار کرنے بعد بھی اگر غیر مفید ثابت ہو اور عورتوں کی کج رَوِی اِس درجہ کو پہنچی ہوئی ہو کہ تمہاری نصیحت کی کوشش بے سود اور رائیگاں جا رہی ہو، ایسی صورت میں بھی شریعت نے علیحدگی اور طلاق کا حکم نہیں دیا بلکہ دوسری تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا، وہ یہ کہ " وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ " اور اُن کو لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو، حق تعالیٰ نے نہ تو یہ فرمایا "اَخْرِجُوْھُنَّ " کہ ایسی نافرمان عورتوں کو گھروں سے نکال دو، اور اُن کو اُن کے گھروں میں یعنی میکہ میں چھوڑ دو، نہ اُن کی خبر گیری کرو، نہ اُن کو بلاؤ اور نہ ہی حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ " وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ " کہ ان کو گھروں میں بالکل تنہا چھوڑ دو اور تم گھر سے کہیں نکل جاؤ اور گھر میں اپنی شکل تک نہ دکھاؤ، بلکہ یہ فرمایا " وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ " کہ گھر میں رہتے ہوئے اِن کو بستروں میں چھوڑ دو یعنی وقتی طور پر ملنا جلنا بولنا چالنا چھوڑ دو جب تک کہ وہ اپنی اصلاح نہ کر لیں

اور جن غلط حرکتوں اور بری عادتوں میں مبتلا ہیں اُس سے باز نہ آجائیں۔ اِس ہدایت پر عمل کرنے سے قوی اُمید ہے کہ بہت جلد عورتوں کی اصلاح ہو جائے گی اور وہ اپنے شوہروں کی مطیع اور فرمانبردار بن جائیں گی۔

اصلاح وتربیت کی تیسری تدبیر :

لیکن وعظ ونصیحت وقتی بول چال اور ملنا جلنا بند کرنے کے باوجود اگر عورتیں راہِ راست پر نہیں آتیں اور تمہاری اطاعت وفرمانبرداری کا عہد نہیں کرتیں اور جن برائیوں اور معصیتوں میں مبتلاء ہیں اُس سے تائب نہیں ہوتیں، تو ظاہر ہے کہ مرد کے لیے یہ نہایت تکلیف دہ سخت ناگواری اور شدید غصہ کا باعث ہوگا اور غصہ میں آکر وہ ایسی شریک حیات کو اپنی رفیقہ حیات بنا کر رکھنے پر آمادہ نہ ہوگا لیکن اِس کے باوجود ایسی حالت میں مردوں کو یہ ہدایت نہیں کی گئی کہ چونکہ بہت سمجھا چکے وعظ نصیحت کی تدبیر اختیار کر چکے اب تو علیحدگی کے سوا کوئی چارہ نہیں بلکہ ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے غصہ کی حالت میں بھی نہ تین نہ دو نہ ایک، بجائے طلاق دینے کے اُن کی معمولی پٹائی کر دو بس دماغ ٹھکانے لگ جائیں گے، لیکن یہ پٹائی ایسی نہ ہونی چاہیے جس سے کہ کھال میں نشان پڑ جائیں ہڈی ٹوٹ جائے خون بہنے لگے، جلد پھٹ جائے نیز چہرے پر مارنے کی بھی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ ایسی مار تو استاذ و آقا کے لیے بھی جائز نہیں رکھی گئی بلکہ اگر ایسی مار اُستاذ شاگرد کو آقا غلام کو شوہر بیوی کو باپ بیٹے کو مارے تو اسلامی حکومت میں ایسے باپ شوہر آقا واُستاذ خود تادیب اور سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مار پیٹ کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے''۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا میری اُمت کے بہترین لوگ ایسا نہیں کریں گے یعنی اپنی بیوی کو ماریں گے نہیں بجائے اِس کے اصلاح کی دوسری تدبیروں پر اکتفا کریں گے۔ (معارف القرآن)

اصلاح وتدبیر کی آخری کوشش :

لیکن اگر اصلاح کی مذکورہ بالا تدبیروں میں سے کوئی تدبیر مؤثر ثابت نہیں ہوئی اور باہم کشیدگی ومنافرت بڑھتی جارہی ہے جس کے نتیجہ میں تفریق بین الزوجین اور طلاق کی نوبت آسکتی ہے، ایسی صورت میں بھی شریعت کہتی ہے کہ ابھی ہمت مت ہارو، طلاق وتفریق میں جلد بازی سے کام مت لو بلکہ مصالحت ومفاہمت کی

دوسری تدبیریں اختیار کرو۔ وہ کیا؟ سب وشتم نہیں سخت مار پیٹ نہیں طلاق کی دھمکی نہیں بلکہ وہی مصالحت ومفاہمت یعنی غلط فہمیوں کا ازالہ اور جانبین سے پورے طور پر حقوق کی ادائیگی کا معاہدہ۔ لیکن اب یہ کام خود نہیں کرنا کیونکہ معاملہ اِس حد کو پہنچ چکا ہے کہ غصہ وگرمی میں بجائے نفع کے نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے اس لیے اب حکم یہ ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا. (پارہ ۵ ، سورہ نساء)

'' اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو تو تم ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کردو، اگر دونوں کی نیت اصلاحِ حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا ''۔

اس ہدایت ورہنمائی کا حاصل یہی ہے کہ ایسی نازک صورتحال میں خاندان کے دو بڑے سمجھدار حضرات ایک مرد کی طرف سے دوسرا عورت کی طرف سے، دونوں حضرات جو مسئلہ کی صحیح صورت حال سے بھی واقف ہوں وہ شرعی حکم کے تحت خیر خواہی کے جذبہ سے شوہر بیوی کے درمیان صلح وصفائی اور باہم اتحاد واتفاق اور مصالحت ومفاہمت کی کوشش کریں۔ اللہ کا وعدہ ہے: '' اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا '' اگر واقعی خیر خواہی کے جذبہ سے یہ اقدام کریں گے، تو ان شاء اللہ یقیناً موافقت کی صورت پیدا ہوجائے گی۔

مجبوری کی صورت میں طلاق کا اقدام اور اُس کا دستور العمل :

لیکن شوہر بیوی کی باہم کشیدگی اور آپسی منافرت اِس درجہ بڑھ چکی ہو کہ مصالحت وموافقت کی مذکورہ بالا تدبیروں میں ساری ہی تدبیریں بے سود ہوجائیں اور اب صورتحال ایسی بن چکی ہو کہ شوہر بیوی میں ایک دوسرے کے حقوق کی طرف سے لاپرواہی ہونے لگے، نہ شوہر کو بیوی سے سکون حاصل ہو اور نہ عورت شوہر کی ماتحتی قبول کرے، بلکہ حق تلفی اور ظلم وزیادتی اور دست درازی کے خطرات ہوں ایسی صورت میں شریعت کہتی ہے کہ خبردار ظلم زیادتی کا دروازہ مت کھولنا، حسنِ معاشرت کے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا تو ظلم ومعصیت میں مبتلاء نہ ہو کر حسنِ انداز سے شریعت کے مطابق طلاق دے کر اِس سے علیحدگی اختیار کرلو۔ اور ایسے موقع پر طلاق نہ دینا اور ظلم کے لیے

ہاتھ بڑھانا یا نا جائز مطالبہ کرنا، اور عورت کو معلق کر دینا یعنی نہ تو بلا کر حسنِ معاشرت کے ساتھ رکھنا اور نہ ہی طلاق دے کر اپنے سے جدا کر دینا، یہ خود بہت بڑا ظلم اور گناہ کبیرہ ہے جو حقوق العباد سے متعلق ہے اور یہ ایسا بڑا گناہ ہے جو حج عمرہ و جہاد سے بھی معاف نہیں ہوگا، ایسی ناخوشگوار صورتحال میں تو خود شریعت طلاق کا حکم دیتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے : لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ". (جاری ہے)

قسط : ۳

دُعاؤں کے فضائل وترغیب میں رسول ﷺ کے ارشادات

﴿ حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی ﴾

دُعاء باعثِ کرم ہے :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر دُعاء سے زیادہ کوئی شے باعث کرم نہیں ہے۔ (ترمذی ص ۱۷۳ ج ۲)

خوشحالی میں دُعاء کا حکم :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مصائب و پریشانی کے موقع پر دُعاء کے قبول ہونے کا خواہشمند ہے اُسے چاہیے کہ وہ خوشحالی میں دعاء کرے۔ (الدعا ص ۴۵، ترمذی ص ۳۸۲)

بلاؤں کا دفاع دُعاء سے کرو :

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مال کی حفاظت زکوٰۃ سے کرو، بیماریوں کا علاج صدقہ سے کرو، مصائب وحوادث کا دفاع دُعاؤں سے اور تضرع سے کرو۔

فائدہ : مصائب وحوادث سے پہلے دُعا کرو تا کہ یہ دعا اُس کو دفع کرتی رہے۔

دُعاء کا مقابلہ مصائب سے :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دُعاء نجات دیتی ہے اُس مصیبت سے جو اُتر چکی ہے اور اُس سے بھی جو ابھی نہیں اُتری ہے۔ اور بلاء اُترتی ہے تو دعاء اُس سے جا ملتی ہے پھر دونوں لڑتی ہیں اور جھگڑنا قیامت تک چلتا رہے گا۔ (مجمع ص ۱۴۶ ج ۱۰)

فائدہ : یعنی جو بلاء ومصیبت اُترنا چاہتی ہے دعاء اُسے روکتی ہے اور بلاء اُس کا مقابلہ کرتی ہے۔ اسی طرح دُعاء قیامت تک بلاء کو روکے رکھتی ہے اُسے اُترنے نہیں دیتی۔

دُعاء لشکرِ خداوندی ہے :

حضرت بشر بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً منقول ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: دُعاء لشکرِ خداوندی میں سے ایک لشکر ہے۔ (ابن عساکر، اتحاف ص ۳۰ ج ۴)

فائدہ : یعنی جس طرح فوج سے دشمنوں پر فتح ملتی ہے اِسی طرح دُعاء سے فتح حاصل ہوتی ہے اسی لیے اسے ہتھیار بھی کہا گیا ہے۔

ہر چیز کی دُعاء کا حکم :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ہر حاجت تم اللہ تعالیٰ سے مانگو یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے اُسے بھی مانگو، یہاں تک کہ نمک بھی مانگو۔ (بزار، مجمع ص ۱۵۰ ج ۱۰)

فائدہ : یعنی معمولی سے معمولی ضرورت بھی ہو تو اللہ ہی سے مانگو، اِس میں کوئی شرم وحیا کی بات نہیں۔

مؤمن کی دُعاء پر فرشتوں کا آمین کہنا :

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مومن کی دُعاء پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

فائدہ : فرشتوں کی آمین سے مومن کی دُعاء قبول ہوگی۔ اِس سے مومن کی دُعاء کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے لہٰذا کوئی شر وغیرہ کی دُعاء نہ کرے کہ ہلاکت و پریشانی کا باعث ہو۔

غائبانہ دُعاء:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دُعاء کرتا ہے تو ملائکہ آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اور تیرے لیے بھی اِسی طرح ہو۔ (مجمع ۱۵۲ ج ۱۰)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت صفوان کہتے ہیں کہ میں اُن کے پاس ملک شام گیا، اُمّ درداء رضی اللہ عنہا تو گھر میں موجود تھیں مگر ابو درداء رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہ تھے۔ وہ کہنے لگیں ہمارے لیے دعائے خیر کرنا کیونکہ حضور پاک ﷺ فرماتے تھے: مرد مسلمان کی وہ دُعاء جو اپنے بھائی کے لیے غائبانہ کرتا ہے ضرور قبول ہوتی ہے۔ ایک فرشتہ مقرر رہتا ہے جب وہ اپنے بھائی کے لیے دُعائے خیر کرتا ہے تو فرشتہ اُس پر آمین کہتا ہے اور یہ کہتا ہے ''اور تیرے لیے بھی بھلائی ہو''۔ (ادب المفرد ص ۲۹۸)

تاخیرِ قبولیت کی حکمت :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بندوں کی ضرورتوں پر مامور ہیں۔ جب کافر دُعاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے جبرئیل! اِس کی حاجت پوری کرو، میں اس کی دُعاء نہیں سننا چاہتا ہوں اور جب کوئی مؤمن دُعاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں اِس کی حاجت روکے رکھو میں اِس کی پکار پسند کرتا ہوں۔ (الدعاء ص ۸۷، کنزل العمال ص ۵۳ ج ۲)

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ دعاء کی قبولیت میں تاخیر ہونا اُس کے ناراض ہونے کی علامت نہیں۔

دُعاء پر اللہ تعالیٰ کا لبیک کہنا :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب بندہ کہتا ہے یا رب یا رب تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حاضر ہوں میرے بندے، مانگ، دیا جائے گا۔ (ابن ابی الدنیا، کنز العمال ص ۴۰)

اوّلاً اپنے لیے دُعاء کرنا :

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ جب کسی کے لیے دُعاء کرتے تو اپنی ذات سے دُعا شروع کرتے (یعنی اوّلاً اپنے لیے دعا کرتے)۔ پس ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔ (ابن ابی شیبہ ص ۲۲۰)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ جب کسی کے لیے دُعاء فرماتے تو اولاً اپنے لیے دُعاء فرماتے۔ (طبرانی ص ۴۰۸ ج ۴۔ مشکوٰۃ ص ۱۹۶ ج ۱)

فائدہ : چنانچہ دُعاء کی یہی ترتیب ہے کہ اولاً اپنے حق میں مانگے جیسے: رَبِّ اغْفِرْلِیْ وِلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ. (سورہ ابراھیم آیۃ ۴۱)

اپنے لیے دعاء کی فضیلت :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا افضل ترین دُعاء کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا : آدمی کی دُعاء اپنے لیے۔ (مطالبِ عالیہ ص ۵۱ ج ۳)

دینی بھائی کی دُعاء :

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دینی بھائی کی دُعاء قبول ہوتی ہے۔(ادب المفرد ص ۲۹۸) فائدہ : یعنی ایک ایمان والا جب دوسرے کے حق میں دُعاء کرتا ہے تو قبول ہوتی ہے۔

درازی عمر کی دُعاء :

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے مکان پر تشریف لاتے تھے، ایک دن تشریف لائے اور سب کے لیے (اجتماعی طور پر) دُعاء فرمائی۔ میری والدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ آپ اپنے چھوٹے خادم کے لیے دعاء نہیں فرماتے۔ آپ ﷺ نے دعاء فرمائی : اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ ، وَاَطِلْ حَیَاتَہٗ . اے اللہ اِس کے مال اور اولاد میں برکت عطا فرما اور عمر دراز عطا فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے میرے لیے دعاء کی، ایک سو تین بچوں کو تو میں اپنے ہاتھوں سے دفنا چکا ہوں اور میرے باغ کے پھل سال میں دو مرتبہ کھائے جاتے ہیں اور میری عمر اتنی طویل ہو گئی کہ میں لوگوں کے سامنے شرمندہ ہوتا ہوں اور چوتھی دُعائے مغفرت کا انتظار ہے۔(ادب المفرد ص ۱۹۶)

جنت الفردوس کی دُعاء :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم جنت کی دعاء مانگو تو فردوس کی دُعاء مانگو۔(طبرانی ص ۲۳۲ ج ۳)

فائدہ: جب اللہ پاک سے مانگے خوب اچھی چیز اچھی طرح مانگے، اس لیے کہ اُسے دینے میں کوئی نقصان نہیں، نہ وہ بخیل ہے تو خوب مانگے اور بہتر سے بہتر مانگے، فردوس جنت کا سب سے عمدہ اور اونچا طبقہ ہے۔

دُعاء کرنے والے پر جنت کے دروازے کھل گئے :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جس کے لیے دُعاء کے دروازے کھل گئے اُس کے لیے جنت کے دروازے کھل گئے۔(حاکم ص ۴۹۸ ج ۱) (جاری ہے)

یادگارِ اسلاف

﴿ عمر فاروق احمد پوری، متعلم جامعہ مدنیہ جدید، درجہ سابعہ ﴾

وہ جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی وسیع وعریض مسجد میں بیان فرمارہے تھے، اُن کی باتوں میں نہ منطق وفلسفہ بگھارا گیا تھا، نہ ہی عرفِ عام کا گھن گرج والا زورِ بیان، وہ نرم دم گفتگو میں الفاظ کا نستعلیق تلفظ جگا کر سامعین کو رُوحانیت کے ایک جہاں سے آشنا کرا رہے تھے۔ وہ جب کسی موضوع پر بولتے تو علمی بحثیں صحراء کی طرح کھلتی چلی جاتیں، اُن کے بیان کا بنیادی محور ''دیوبند اور علماء دیوبند'' تھا۔ وہ طلبہ کو اپنے اسلاف کا کردار اور اُن کے کارنامے بتا رہے تھے۔ وہ فرمارہے تھے کہ ''گزشتہ ڈیڑھ صدی میں اللہ جل شانہ نے علماء دیوبند سے دین کے مختلف شعبوں میں جو کام لیا، دُنیا کے کسی اور خطہ میں اُس کی نظیر نہیں، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، تدریس وتحقیق اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو باقی رکھنے کے لیے جو عظیم جدوجہد علماء دیوبند نے کی ہے اور سرمایہ ملت کی نگہبانی کا حق جو انہوں نے ادا کیا ہے، وہ ہند کی اسلامی تاریخ کا ایسا زریں باب ہے جس سے کوئی مؤرخ صرف نظر نہیں کرسکتا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلامی علوم کی حفاظت اور مسلمانوں کے وجود کی بقاء کی غرض سے اللہ کے چند مخلص اور مقبول بندوں نے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ/ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو رکھی۔ محمود نام کے ایک اُستاذ اور ایک شاگرد سے شروع ہونے والے اِس ادارے کو اللہ نے بارآور بنایا اور اِس کے برگ وثمر سے آج تک مسلمانانِ برصغیر فیضیاب ہورہے ہیں۔ وہاں سے فیض اُٹھانے والے علماء نے قریہ قریہ بستی بستی مدارس کھولے، قرآنی مکاتب شروع کیے، مسجدوں کو آباد کیا، فتنوں کا تعاقب کیا، قرآن وسنت کی صدا لگائی اور بتکدۂ ہند کے سناٹوں کو توحید کی دلکش اذانوں سے گرمایا''۔ حضرت والا طلبۂ کرام کو اپنے اسلاف کی دینی خدمات بتا رہے تھے، اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ شخصیت کون ہے؟ جی ہاں یہ ہیں نامور عالم دین حضرت اقدس مجاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم العالی۔ حضرت گزشتہ دنوں جامعہ مدنیہ جدید میں تشریف لائے اور اُستاذ محترم حضرت اقدس مولانا محمد حسن صاحب مدظلہم نے اُن سے بیان کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت نے طلبہ سے بیان فرمایا، بیان کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا جس میں اساتذہ اور طلبہ نے حضرت سے خوب استفادہ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اِن مایوس کن حالات میں جو دو چار کالم نگاروں کسی اعلیٰ مقصد کے تحت قرطاس وقلم سے اپنا تعلق قائم رکھے ہوئے ہیں، اُن میں مولانا مجاہد الحسینی صاحب مدظلہ کا نام بھی شامل ہے جو پاکستان کے کثیر الاشاعت اخبار ''روزنامہ اسلام'' میں کالم لکھتے ہیں۔ مجھے صد فیصد یقین ہے کہ ہمارے نام نہاد ادبی حلقوں میں کسی نے مولانا کا اور جس اخبار میں وہ کالم لکھتے ہیں اُس کا نام نہیں سنا ہوگا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ادب علم سے جدا ہو گیا ہے، ہمارے ادیب اپنے آس پاس ہی کے لوگوں کو جانتے ہیں اور ایک دوسرے ہی کی تحریروں کو دیکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ادب کا معیار بھی اپنی اور اپنے جیسوں کی تحریروں سے متعین کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہمارے آج کے ادیب سیّد سلیمان ندویؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ جیسے اکابر کی ادبی خدمات سے بھی ناواقف ہیں۔

مولانا مجاہد الحسینی صاحب مدظلہ جس اخبار (اسلام) میں کالم لکھتے ہیں، وہ بیک وقت کراچی، راولپنڈی، ملتان، لاہور اور مظفر آباد سے شائع ہوتا ہے اور تمام مقامات سے شائع ہونے کی مجموعی تعداد روزنامہ ''جنگ'' کو چھوڑ کر پاکستان کے کسی بھی روزنامے سے زیادہ ہے۔ اس اخبار میں کالم لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ کالم نگار کی قارئین کے ایک بہت بڑے حلقے تک رسائی ہے۔ مولانا کی کالم نگاری کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ تفریح طبع کے لیے نہیں بلکہ ایک نہایت سنجیدہ مقصد سے کالم لکھتے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو عہدِ حاضر خصوصاً عالمِ اسلام کے حالات سے باخبر رکھا جائے نیز صہیونیت اور اُس کے ہواخواہوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ جو شرمناک سلوک ہو رہا ہے اُس کا مقابلہ کرنے کے لیے قومی شعور کو اس طرح بیدار کیا جائے کہ ہر مسلمان موجودہ عالمی حالات میں اپنے دینی فرائض ادا کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مولانا اظہار کا جواندار اختیار کرتے ہیں، وہ اُردو صحافت میں ایک مسلسل بالکل منفرد انداز ہے۔ ایسی سدا بہار ادبیت اخبارات کے صفحوں پر کبھی کبھار ہی نظر آتی ہے۔ ''یارب ایسی چنگاری بھی اپنے خاکستر میں تھی''۔ مولانا مجاہد الحسینی صاحب کے کالموں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جس موضوع پر کالم لکھتے ہیں، اُس کے بارے میں ضروری معلومات کو اِس طرح یکجا کر دیتے ہیں کہ قاری کو کسی دوسرے ذریعے سے معلومات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مختصر یہ کہ مولانا کے کالم پڑھنے والا بہت کچھ حاصل کرتا ہے اور میں بھی اِن بہت کچھ حاصل کرنے والوں میں شامل ہوں۔ میری دُعا ہے کہ مولانا کا سدا بہار قلم تادیر مضامین نو کے انبار لگاتا رہے۔ ۞۞۞

دینی مسائل

﴿ بیمار کی نماز کا بیان ﴾

مریض کے لیے امامت واقتداء کے چند مسائل :

مسئلہ : معذور اپنے جیسے یا اپنے سے زیادہ عذر والے کی امامت کرسکتا ہے، کم عذر والے کی امامت نہیں کرسکتا، کیونکہ امام کا حال مقتدی سے قوی یا اُس کے مساوی ہونا شرط ہے۔ اور معذور امام اور مقتدی دونوں کے عذر کا ایک (یکساں) ہونا ضروری ہے مثلاً دونوں کو سلسل البول یا دونوں کو ریح کا مرض ہو وغیرہ۔ پس اگر دونوں کو الگ الگ قسم کے عذر ہوں مثلاً ایک کو ریح کا مرض ہے اور دوسرے کو سلس البول کا مرض ہے یا خون جاری ہے تو وہ ایک دوسرے کی امامت نہیں کرسکتے، بلکہ الگ الگ پڑھیں۔

مسئلہ : ایک عذر والا شخص دو عذر والے شخص کا امام اُس وقت ہوسکتا ہے جب اُس کا عذر مقتدی کے دونوں عذروں میں سے ایک ہو ورنہ نہیں۔ اور ایک عذر والے کو دو عذر والے کی اقتداء کسی طرح درست نہیں ہے۔

مسئلہ : معذور نے اپنے مثل معذور اور صحیح کی امامت کی تو صحیح (تندرست) کی نماز دُرست نہیں ہوگی، معذور کی درست ہوجائے گی۔

مسئلہ : البتہ اگر معذور نے عذر کے رُکے ہوئے ہونے کی حالت میں وضو کیا اور اُسی حالت میں نماز پڑھائی تو صحیح کی نماز دُرست ہوجائے گی۔

مسئلہ : اشارہ سے نماز پڑھنے والے میں امام سے آگے ہونے نہ ہونے میں سر کا اعتبار ہے۔ پس اگر اِس کا سر امام کے سر کے برابر یا اُس سے پیچھے ہے اگرچہ اِس کے قدم امام کے قدم سے آگے ہوں تو اقتداء صحیح ہو جائے گی اور اِس کے برعکس اگر اِس کا سر امام کے سر سے آگے اور پاؤں امام کے پاؤں سے پیچھے ہیں تو اِس کی اقتداء درست نہیں ہوگی۔ یہ حکم اشارہ سے اُس نماز پڑھنے والے کا ہے جو کسی صحیح کا یا اپنے مثل اشارہ سے نماز پڑھنے والے کا مقتدی ہو اور وہ امام ومقتدی دونوں میں سے ہر ایک یعنی جو معذور ہیں بیٹھے ہوئے ہوں یا چت لیٹے ہوئے ہوں اور اُس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں۔ لیکن اگر کروٹ پر لیٹا ہوا ہو تو مقتدی کو اپنے امام کی پیٹھ

کے پیچھے کروٹ سے لیٹا ہوا ہونا شرط ہے اور اِس کے لیے سر کا اعتبار بالکل نہ ہوگا۔

مسئلہ : امام لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہو اور مقتدی بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہو تو مقتدی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ : امام نے زخم پر پٹی باندھی ہوئی ہو اور اُس پر مسح کیا ہو تو اُس کے پیچھے ایسے شخص کی نماز صحیح ہوگی جس نے تمام اعضاء وضو کو دھویا ہو۔

مسئلہ : مریض امام بیٹھ کر نماز پڑھائے اور تندرست مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوں تو نماز دُرست ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں بیٹھ کر نماز پڑھائی جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر اقتداء کرتے رہے۔

مسئلہ : جنون مطبق (دائمی) ہو یا منقطع (غیر دائمی) ہو لیکن افاقہ کی حالت نہ ہو، ایسی حالت میں اِس دیوانے یا پاگل کی اور نشے میں مدہوش اور معتوہ کی امامت صحیح نہیں ہوتی۔

مسئلہ : بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کے بجائے اشارہ سے نماز پڑھتے ہیں۔ اگر زمین پر بیٹھ کر سجدہ کی قدرت ہو تو کرسی پر اشارہ سے نماز نہیں ہوگی۔

مسئلہ : جس کے منہ سے بدبو آتی ہو یا جس کے زخم ہوں اور اُس کے زخموں سے بدبو آتی ہو، اُس شخص کو چاہیے کہ وہ نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ جائے بلکہ گھر میں نماز پڑھے۔

مسئلہ : مجنون و پاگل کو مسجد سے دُور رکھنا چاہیے۔

مسئلہ : اگر بیٹھ کر کمر کو اتنا جھکا سکتا ہے کہ اگر کوئی ایک بالشت تک اُونچا پتھر یا تپائی سامنے رکھی ہو تو اُس پر پیشانی ٹکا سکتا، تو ضروری ہے کہ سجدہ کے لیے کمر کو جھکا کر پیشانی کو اُس پتھر یا تپائی پر لگائے۔